محبتیں جب شمار کرنا

نوشی گیلانی

نوشی گیلانی

زرد پھولوں کی بارش

مگر

خواب

خواب تو خواب ہوتے ہیں

میرے شعور کی آنکھوں نے

جب دیکھنا سیکھا تو خواب نہیں دیکھے

خواب دیکھنے کی خواہش

اور

اس کے عذاب دیکھے

محبت

اس کا تصور روشن لگتا ہے

مگر

اندھیرے بھر دیتا ہے روح میں

ویران کر دیتا ہے دل کی بستی کو

مجھ سے بھی

پہلا جرم یہی ہوا

میں نے جب لکھنا سیکھا تو

پہلا لفظ محبت لکھا

بہت لکھا

کئی طرح سے لکھا

اس کی خوشبو

اور اسکے تمام رنگوں کو خود میں آباد کیا

میں محبت کی اس جنگ میں

خوبصورتی سے بکھرنا اور مرنا چاہتی تھی

میں نے

وہ عمر

اپنی اس زندگی میں بہت تلاش کی

جو تتلیوں اور جگنوؤں کو مٹھیوں میں قید کر کے خوش ہونے کی ہوتی ہے

گڑیوں سے کھیلنے

اور

ساحلوں پر سیپیاں چننے سے پہلے

ریت کے گھروندے بنانے کی ہوتی ہے

مگر

میری زندگی کے سمندر پر

نہ ساحل ہیں

نہ ساحلوں کی ہوا

بس ریت ہی ریت ہے

ریت ہی ریت

اور

ہوا کا ریت سے سمجھوتہ

مجھے تو آنکھیں بچانا تھیں
میری آنکھوں نے ڈھیروں ڈھیر آنسو دیکھے
مگر یہ آنسو میں نے رائیگاں نہیں جانے دیئے
گرتے رہے
میرے دل کے وسیع صحرا میں
بہتے رہے
ٹھنڈے اور میٹھے دھاروں کی طرح

مجھے زندگی کرنا چاہیے تھی
مگر
کیا یہ کوئی ایسی شے ہے جو خود کی جا سکتی ہے
زندگی مجھ سے نہیں ہو سکی
اور پھر میں
ایک حد پر آ کر رک گئی
میں اس زندگی کے ساتھ
اس کی شرطوں پر
اس سے زیادہ آگے نہیں جا سکتی تھی
میں نے شاعری کی

اور

اپنی شرط پر کی

جیسی بھی کی

مجھے اس سے اپنے تمام ہی رشتوں پر غرور ہے

کہ یہ سب کچھ میرا ہے

میرا اپنا

اس کا نہیں

جو رستوں

اور

نہر کنارے

ایستادہ درختوں پر

سرِ شام

دو ناموں کو جوڑ کر

ایک نام بناتا ہے

اور

بھول جاتا ہے

بھول جانا

سچ سے منحرف ہو جاتا ہے

کردار سے خالی ہو جانا......

میری ساری کی ساری تنہائی

یاد رکھنے

اور

سچ بولنے کی سزا ہے

مجھے کچھ نہیں بھولا

زرد پھولوں کی بارش سے لے کر

لہولہو کرتی

رسموں اور قسموں تک

رواجوں اور سماجوں تک

سچ

جو میرا یقین ہے

میرا ایمان ہے

اب

کئی طرح کی باتوں

اور برساتوں نے

گھیر رکھا ہے مجھے

میرے چاروں طرف بے شمار آنکھیں ہیں

اور ان میں

میری آنکھیں

میری اپنی آنکھیں

سلگتی

تلاش کرتی آنکھیں

تلاش کرتی

زخم کھاتی آنکھیں

اور میں نے تو کبھی

ان آنکھوں کو

جھپک کر بھی نہیں دیکھا

جانے کیوں

ایک دھڑکا

ایک خدشہ

جہاں میں آنکھ جھپکوں گی

وہیں پر حادثہ ہوگا

طلوع آفتاب کا منظر اچھا لگتا ہوگا

مگر

یہ تو شب گزرنے پر ہے نا

اور

مجھے تو شب کے گزرنے تک

آنکھوں کو چراغ رکھنا ہے

مجھے نہیں معلوم

میرے ساتھ کسے جاگنا ہے

مجھے تو بس یہ خبر ہے

کہ

میں جاگ رہی ہوں

"محبتیں جب شمار کرنا"

میری حیات وکائنات کا

آئینہ ہے

آئینہ تو سچ بولے گا۔

اور پھر

میرا آئینہ

میں اپنے سچ کے لیے

کہیں بھی

کبھی بھی

معذرت نہیں چاہوں گی

میں حاضر ہوں

میں حاضر ہوں

میں حاضر ہوں

مرے ذہن ودل وچشم وصدا پہ مہرباں خالق

مرے مالک

میں حاضر ہوں

میں حاضر ہوں

تری عظمت' تری واحدانیت بے شک

ہر اک شک کی بلندی سے ہے بالاتر

گواہی اس کی دیتے ہیں

مرا دل' مری چشم تر

مرا حرف سخن' دست ہنر

مری سانسیں تری خوشبو کے سائے میں نہائی روشنی

اور روشنی میرا سفر

تجھے سوچوں تو منزل معتبر

کھلنے لگیں افلاک کے

سارے ہی در

ترے محبوب کی امت کے رستوں پر

مگر خالق

مرے مالک

مری فردِ عمل اک آئینہ ہے

اور آئینہ

مرے جذبوں، مری آنکھوں

مری سچائیوں کا عکس آئینہ

مری صبحوں، مری شاموں

مرے سوچے ہوئے لفظوں کا آئینہ

مرے اشکوں کی سچائی نے جو لکھی ہیں

ان نعتوں کا آئینہ

ترے محبوب کی یادوں کا آئینہ

مگر اس آئینے کو

تہمت گر زمانہ ریزہ ریزہ کر رہی ہے

مری یہ زندگی تیری عطا ہے

اس کو صحرا کر رہی ہے

مرے مالک

مرے خالق

دلوں کے بھید

ذہنوں کی حقیقت جاننے والے

مجھے اب شہرِ تہمت کی اسیری سے رہائی دے

مرے مالک رہائی دے

مرے خالق رہائی دے

خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

علم کے شہر کے تاجدار وامیں

خاتم المرسلیںﷺ

تیری رحمت کے سائے کے محتاج ہیں

آسماں وزمیں

خاتم المرسلیںﷺ

روشنی بھی تری ذات کا عکس ہے

چاندنی بھی تری بات کا عکس ہے

جس طرف آنکھ اٹھتی ہے تو ہے وہیں

حسن عرش بریں

خاتم المرسلیںﷺ

تجھ سے قائم ہے ہر لفظ کی آبرو

اپنا ایمان وقرآں تری گفتگو

روح میں پھول کی طرح کھلتا ہے تو

دل کے روشن مدینے میں ملتا ہے تو

یہ ہے میرا یقیں

فاخر عالمیں

حسن عرش بریں

حرف کو لفظ کرنے کا اعجاز دے

اپنے در کی بھکارن کا اعزاز دے

مجھ کو وہ راز دے

تیرے در سے اٹھاؤں نہ اپنی جبیں

خاتم المرسلیں ﷺ

سلام

سلام رہبر آزادیٔ حیات سلام
سلام شاہ شہیدان شش جہات سلام

سلام تجھ پہ کہ تیری جسارتوں سے ملی
جہان کرب و بلا کو لہو کی سچائی
ترے ہی نام سے روشن ہوا چراغ وفا
ترے وجود سے قائم سحر کی رعنائی

سلام رہبر آزادیٔ حیات سلام
سلام شاہ شہیدان شش جہات سلام

سلام تجھ پہ کہ تیری محبتوں سے ملا
سراغ عشق محمد کی انتہاؤں کا
تعصبات کو رد کرکے رکھ دیا تو نے
سبق عمل سے دیا تو نے بس وفاؤں کا

سلام رہبر آزادیٔ حیات سلام
سلام شاہ شہیدان شش جہات سلام

سلام تجھ پہ کہ تیرے لہو کی خوشبو سے
خیال و فکر میں خیمہ ترا مہکتا ہے
یہ میرے لفظ جو اب جگمگانے لگتے ہیں
ترے گھرانے کے علم و ہنر کا صدقہ ہے

سلام رہبر آزادی حیاتؑ سلام
سلام شاہ شہیدان شش جہات سلام

سلام تجھ پہ کہ تیری صداقتوں کے طفیل
کبھی رکا نہیں صحرا میں بھی سفر میرا
ملا ہے صبر مجھے تیرے عزم سے ایسا
کہ بے کسی میں بھی قائم ہے کر و فر میرا

سلام رہبر آزادی حیاتؑ سلام
سلام شاہ شہیدان شش جہات سلام

◆◆◆

ہم عہدِ ندیم میں زندہ ہیں

ہم زندہ ہیں
ہم عہدِ ندیم میں زندہ ہیں

ہمیں عہدِ ندیم کی نسبت سے
پہچان ملی، کردار ملا
وہ جو خوف جھیلتے جاتے تھے
انہیں دشت بھی سایہ دار ملا
وہ جو لفظِ وفا سے خالی تھے
انہیں معنی کا پندار ملا
وہ جو شعر کا پھیکا آنچل تھا
اسے رنگ بھی خوشبو دار ملا
وہ جو لب پر قرض سخن کا تھا
اسے اذنِ سخن ہر بار ملا

ہم عہدِ ندیم کے سائے میں تابندہ ہیں
ہم عہدِ ندیم میں زندہ ہیں
ہم زندہ ہیں

اختیار

ہوا کو لکھنا جو آ گیا ہے
اب اس کی مرضی کہ وہ خزاں کو بہار لکھ دے
بہار کو انتظار لکھ دے

سفر کی خواہش کو واہموں کے عذاب سے ہمکنار لکھ دے
وفا کے رستوں پہ چلنے والوں کی قسمتوں میں غبار لکھ دے
ہوا کو لکھنا جو آ گیا ہے
ہوا کی مرضی کہ وصل موسم میں ہجر کو حصہ دار لکھ دے
محبتوں میں گزرنے والی رتوں کو ناپائیدار لکھ دے
شجر کو کم سایہ دار لکھ دے
ہوا کو لکھنا جو آ گیا ہے

اب اس کی مرضی کہ وہ ہمارے دیے بجھا کر
شبوں کو بااختیار کر کے سحر کو بے اعتبار لکھ دے
ہوا کو لکھنا سکھانے والو
ہوا کو لکھنا جو آ گیا ہے

◆◆◆

عذاب دربدری سے

عذاب در بدری سے نکلنا چاہتے ہیں
اب اس کے خیمہ خوشبو میں رہنا چاہتے ہیں

صدائے گل کی طرح موجہ صبا کی طرح
تری گلی سے کسی دن گزرنا چاہتے ہیں

تلاش رزق میں بھٹکی ہوئی تکان کے بعد
پرندے اپنے گھروں کو پلٹنا چاہتے ہیں

ہمیں نہ دیکھ زمانے کی گرد آنکھوں سے
تجھے خبر نہیں ہم تجھ کو کتنا چاہتے ہیں

وفا ہے شرط تو پھر اپنے درمیاں اب بھی
یہ لوگ کس لیے دیوار رکھنا چاہتے ہیں

امیر شہر سلامت، مصاحبان سمیت
ہم اہل صبر اب ان سے نمٹنا چاہتے ہیں

◆◆◆

تجھے کہا نا، کہ تو ہمیشہ

تجھے کہا نا، کہ تو ہمیشہ سے رائیگاں مجھ کو سوچتا ہے، وہ تو نہیں ہے
جو میری چاہت مری محبت کی دھوپ چھاؤں کا زاویہ ہے، وہ تو نہیں ہے

تری رفاقت کی چھاؤں میری حیات بھی کائنات بھی اور نجات بھی ہے
مگر یہ مجھ میں جو شاعری کی فضائیں ہموار کر رہا ہے، وہ تو نہیں ہے

یہ چار شامیں جو معتبر سی فضا میں ہم نے گزار لیں ہیں تو یہ غنیمت
اب اس سے آگے جو منتظر اک چراغ آثار راستہ ہے، وہ تو نہیں ہے

یہ تری آنکھوں کے آئنوں پر جو ایک خواہش جمی ہوئی ہے، وہ میں نہیں ہوں
جو میرے ہونٹوں پہ ایک حرف دعا مہینوں سے جل رہا ہے، وہ تو نہیں ہے

میں مانتی ہوں کہ میرے خوابوں میں تیری خوشبو کی چاندنی بھی کہیں کہیں تھی
یہ شہر لیکن مرے حوالے سے جس کو تسلیم کر رہا ہے، وہ تو نہیں ہے

وصال موسم کے خواب میں تھی یا ہجر کے بے نشان دکھ کے عذاب میں ہوں
جو سایہ سایہ اکٹھا کر کے دکھوں سے مجھ کو نکالتا ہے، وہ تو نہیں ہے

◆◆◆

مہتاب رتیں آئیں تو کیا کیا

مہتاب رتیں آئیں تو کیا کیا نہیں کرتیں
اس عمر میں تو لڑکیاں سویا نہیں کرتیں

کچھ لڑکیاں انجام نظر ہوتے ہوئے بھی
جب گھر سے نکلتی ہیں تو سوچا نہیں کرتیں

یاں پیاس کا اظہار ملامت ہے گنہ ہے
پھولوں سے کبھی تتلیاں پوچھا نہیں کرتیں

آنگن میں گھنے پیڑ کے نیچے تری یادیں
میلہ سا لگا دیتی ہیں اچھا نہیں کرتیں

قسمت جنہیں کر دے شب ظلمت کے حوالے
آنچل وہ کسی نام کا اوڑھا نہیں کرتیں

جو لڑکیاں تاریک مقدر ہوں کبھی بھی
راتوں کو دیئے گھر میں جلایا نہیں کرتیں

◆◆◆

کوئی مجھ کو مرا بھرپور

کوئی مجھ کو مرا بھرپور سراپا لا دے
مرے بازوُ مری آنکھیںٗ مرا چہرہ لا دے

ایسا دریا جو کسی اور سمندر میں گرے
اس سے بہتر ہے کہ مجھ کو مرا صحرا لا دے

کچھ نہیں چاہیے تجھ سے اے مری عمرِ رواں
مرا بچپنٗ مرے جگنوٗ مری گڑیا لا دے

نیا موسم مری بینائی کو تسلیم نہیں
مری آنکھوں کو وہی خواب پرانا لا دے

جس کی آنکھیں مجھے اندر سے بھی پڑھ سکتی ہوں
کوئی چہرہ تو مرے شہر میں ایسا لا دے

کشتیِ جاں تو بھنور میں ہے کئی برسوں سے
اے خدا اب تو ڈبو دے یا کنارا لا دے

◆◆◆

خواب ساتھ رہنے کے نت نئے

خواب ساتھ رہنے کے نت نئے دکھاتا ہے
یہ جو اصل موسم ہے یہ گزرتا جاتا ہے

خود کو سبز ہی رکھا آنسوؤں کی بارش میں
ورنہ ہجر کا موسم کس کو راس آتا ہے

تو ہواؤں کا موسم تجھ کو کیا خبر جاناں
گرد بد گمانی سے دل بھی ٹوٹ جاتا ہے

ایک تم ہی تھے ورنہ آدمی محبت میں
لاکھ آئیں دیواریں راستے بناتا ہے

ہم تو خیر ناداں تھے منتظر رہے ورنہ
کون اپنی بینائی اس طرح گنواتا ہے

کتنے خواب آنکھوں میں زخم بننے لگتے ہیں
جب ہوا کے ہونٹوں پر تیرا نام آتا ہے

سینکڑوں دکانیں ہیں وصل کے چراغوں کی
کون ہجر میں اپنا اب لہو جلاتا ہے

◆◆◆

اعتراف

بھولتا کون ہے
وقت کے گھاؤ کو
ہجر کے تند طوفان کی
بے یقیں لہر میں
وصل کے خواب کی ڈوبتی ناؤ کو
بھولتا کون ہے

بھولتا کون ہے
اپنے قاتل کے قاتل خدوخال کو
دکھ اٹھاتے دنوں اور مہ و سال کو
بھولتا کون ہے

بھولتا کون ہے
عمر کی شاخ پر کھلنے والی اس اک اولیں شام کو
بے سبب جو لگا ہے اس الزام کو
پھر ترے نام کو
بھولتا کون ہے

◆◆◆

اداس شام کی ایک نظم

وصال رت کی یہ پہلی دستک ہی سرزنش ہے
کہ ہجر موسم نے رستے رستے سفر کا آغاز کر دیا ہے
تمہارے ہاتھوں کا لمس جب بھی مری وفا کی ہتھیلیوں پر حنا بنے گا
تو سوچ لوں گی
رفاقتوں کا سنہرا سورج غروب کے امتحاں میں ہے

ہمارے باغوں سے گر کبھی تتلیوں کی خوشبو گزر نہ پائے تو یہ نہ کہنا
کہ تتلیوں نے گلاب رستے بدل لیے ہیں
اگر کوئی شام یوں بھی آئے کہ جس میں ہم تم لگیں پرائے
تو جان لینا
کہ شام بے بس تھی شب کی تاریکیوں کے ہاتھوں
تمہاری خواہش کی مٹھیاں بے دھیانیوں میں کبھی کھلیں تو یقین کرنا
کہ میری چاہت کے جگنوؤں نے
تمہارے ہاتھوں کے لمس تازہ کی خواہشوں میں
بڑے گھنیرے اندھیرے کاٹے

مگر یہ خدشے یہ وسوسے تو تکلفا ہیں
جو بے ارادہ سفر پہ نکلیں

تو یہ تو ہوتا ہے یہ تو ہوگا

ہم اپنے جذبوں کو منجمد رائیگانوں کے سپرد کر کے
یہ سوچ لیں گے
کہ ہجر موسم تو وصل کی پہلی شام سے ہی
سفر کا آغاز کر چکا تھا

تم نے تو کہہ دیا

تم نے تو کہہ دیا کہ محبت نہیں ملی
مجھ کو تو یہ بھی کہنے کی مہلت نہیں ملی

نیندوں کے دیس جاتے کوئی خواب دیکھتے
لیکن دیا جلانے سے فرصت نہیں ملی

تجھ کو تو خیر شہر کے لوگوں کا خوف تھا
اور مجھ کو اپنے گھر سے اجازت نہیں ملی

پھر اختلاف رائے کی صورت نکل پڑی
اپنی یہاں کسی سے بھی عادت نہیں ملی

بیزار یوں ہوئے کہ ترے عہد میں ہمیں
سب کچھ ملا سکون کی دولت نہیں ملی

◆◆◆

مری زمیں پر جو چاندنی ہے

مری زمیں پر جو چاندنی ہے، وہ سب تری ہے
مرے فلک پر جو دلکشی ہے، وہ سب تری ہے

جو تتلیوں کے پروں پہ لکھے ہیں خط مرے ہیں
یہ جگنوؤں میں جو روشنی ہے، وہ سب تری ہے

جو شب پہ چھائی خموشیاں ہیں وہ سب مری ہیں
سحر میں جتنی بھی نغمگی ہے، وہ سب تری ہے

جو تیرے منظر میں اور منظر ہیں سب مرے ہیں
جو میرے سینے میں شاعری ہے، وہ سب تری ہے

جو تیری مٹھی میں خوشبوئیں ہیں وہ سب مری ہیں
جو میری آنکھوں میں روشنی ہے، وہ سب تری ہے

◆◆◆

ہر ذرہ امید سے خوشبو

ہر ذرہ امید سے خوشبو نکل آئے
تنہائی کے صحرا میں اگر تو نکل آئے

کیسا لگے اس بار اگر موسم گل میں
تتلی کا بدن اوڑھ کے جگنو نکل آئے

پھر دن تری یادوں کی منڈیروں پہ گزارا
پھر شام ہوئی آنکھ سے آنسو نکل آئے

بے چین کئے رہتا ہے دھڑکا یہی جی کو
تجھ میں نہ زمانے کی کوئی خو نکل آئے

پھر دل نے کیا ترک تعلق کا ارادہ
پھر تجھ سے ملاقات کے پہلو نکل آئے

◆◆◆

مانا وادی عشق میں پاؤں

مانا وادی عشق میں پاؤں اندھا رکھنا پڑتا ہے
لیکن گھر کو جانے والا رستہ رکھنا پڑتا ہے

تنہائی وہ زہر بجھی تلوار ہے جس کی دہشت سے
بعض اوقات تو دشمن کو بھی زندہ رکھنا پڑتا ہے

جبر کی جتنی اونچی چاہو تم دیوار اٹھا لینا
لیکن اس دیوار میں اک دروازہ رکھنا پڑتا ہے

ہجر کا دریا آن پڑا ہے تو کوئی بات نہیں
عشق میں ساتھی تھوڑا سا تو حوصلہ رکھنا پڑتا ہے

بے خبری کی شامیں ہوں تو پھر انجان مسافر کو
صحرا میں بھی سمتوں کا اندازہ رکھنا پڑتا ہے

◆◆◆

یہ قیدی سانس لیتا ہے

ان آوازوں کے جنگل میں
مرے پر باندھ کر اڑنے کا کہتے ہو
رہا کرتے نہیں لیکن
رہائی کے لیے بینائی کو اک جرم کہتے ہو
مری پلکوں کو سی کر
موسموں کو جاننے پہچاننے کی شرط رکھتے ہو
مرے پاؤں کو زنجیروں کی بے چہرہ صداؤں سے ڈراتے ہو
مری آزادی پرواز کی خواہش کو جنگل کے لیے آزار کہتے ہو
مرے جذبوں کی کشتی کو جلاتے ہو
مرے افکار کے دریاؤں کو صحراؤں کا قیدی بناتے ہو
مگر سن لو
کوئی موسم ہو
حبس و جبر کا' صحرا کا' جنگل کا
یہ قیدی سانس لیتا ہے

◆◆◆

نجانے کن غم کے جگنوؤں کو

نجانے کن غم کے جگنوؤں کو چھپائے پھرتی ہے مٹھیوں میں
کئی دنوں سے اداس رہی ہے ایک لڑکی سہیلیوں میں

کبھی تو یوں ہو محبتوں کی مٹھاس لہجوں میں گھول دیکھیں
گزرتی جاتی ہے عمر ساری اداس باتوں کی تلخیوں میں

ہماری خواہش کے راستوں میں مہک رہی ہے وفا کی خوشبو
محبتوں نے بدل دیئے ہیں تمام منظر اداسیوں میں

ہمیں خبر ہے ہوا مخالف ہے روشنی کے پیامبر کی
چراغ پھر بھی جلائے رکھتے ہیں ہم محبت کی آندھیوں میں

یہ جانتے ہیں کہ تیری فطرت وفا سے ناآشنا ہے پھر بھی
تری طرف سے لگائے رہتے ہیں اپنے دل کو تسلیوں میں

کبھی کبھی تو محبتوں کے یقین لہجے میں گفتگو ہو
کہیں تو میرا بھی نام آئے تری وفا کی کہانیوں میں

◆◆◆

کہیں کرتے نہیں اظہار

کہیں کرتے نہیں اظہار چپ ہیں
ہمیں تو حکم ہے سرکار چپ ہیں

کہانی کچھ بتانا چاہتی ہے
مگر اس کے سبھی کردار چپ ہیں

بہت ہے بارش سنگ ملامت
مگر ہم صورت کہسار چپ ہیں

ابھی تک ہے بہت محفوظ قاتل
کہ مقتل کے در و دیوار چپ ہیں

پتہ رہزن کا خلقت پوچھتی ہے
مگر بستی کے پہریدار چپ ہیں

وہی موسم وہی زنجیر شب ہے
مگر یہ لوگ کیوں اس بار چپ ہیں

◆◆◆

عجیب خواہش ہے شہر والوں سے

عجیب خواہش ہے شہر والوں سے چھپ چھپا کر کتاب لکھوں
تمہارے نام اپنی زندگی کی کتاب کا انتساب لکھوں

وہ لمحہ کتنا عجیب تھا جب ہماری آنکھیں گلے ملی تھیں
میں کس طرح اب محبتوں کی شگفتگی کے عذاب لکھوں

تمہی نے میرے اجاڑ رستوں پہ خواہشوں کے دیئے جلائے
تمہی نے چاہا تھا خشک ہونٹوں سے چاہتوں کے گلاب لکھوں

کبھی وہ دن تھے کہ نیند آنکھوں کی سرحدوں سے پرے پرے تھی
مگر میں اب' جب بھی سونا چاہوں تمہاری یادوں کے خواب لکھوں

میں تنہا لڑکی دیار شب میں جلاؤں سچ کے دیئے کہاں تک
سیاہ کاروں کی سلطنت میں میں کس طرح آفتاب لکھوں

قیادتوں کے جنوں میں جن کے قدم لہو سے رنگے ہوئے ہیں
یہ میرے بس میں نہیں ہے لوگو کہ ان کو عزت ماب لکھوں

یہی بہت ہے کہ ان لبوں کو صدا سے محروم کر کے رکھ دوں
مگر یہ کیسی مصالحت ہے سمندروں کو سراب لکھوں

◆◆◆

سحر کا حسن ہے کیا

سحر کا حسن ہے کیا‘ رات کا عذاب ہے کیا
بدن نہ ہو تو گنہ کیا ہے اور ثواب ہے کیا

جو گھر سے اوڑھ کے نکلے تھے موم کی چادر
پتہ چلا انہیں رستے میں آفتاب ہے کیا

ترے بھی مشورے شامل تھے ترک خواہش میں
اے میری وحشت دل اب یہ اضطراب ہے کیا

ابھی تو سارے ہی موسم تمہارے ہاتھ میں ہیں
ابھی تمہیں نہیں معلوم احتساب ہے کیا

وہ لوگ اور تھے اب ان کو کیا خبر جاناں
وصال و ہجر ہے کیا موسم گلاب ہے کیا

◆◆◆

تتلیاں پکڑنے کو......

کتنا سہل جانا تھا

خوشبوؤں کو چھو لینا

بارشوں کے موسم میں شام کا ہر اک منظر

گھر میں قید کر لینا

روشنی ستاروں کی مٹھیوں میں بھر لینا

کتنا سہل جانا تھا

خوشبوؤں کو چھو لینا

جگنوؤں کی باتوں سے پھول جیسے آنگن میں

روشنی سی کر لینا

اس کی یاد کا چہرہ خوابناک آنکھوں کی

جھیل کے گلابوں پر دیر تک سجا رکھنا

کتنا سہل جانا تھا

اے نظر کی خوش فہمی! اس طرح نہیں ہوتا

تتلیاں پکڑنے کو دور جانا پڑتا ہے

کہانیاں اب بدل گئی ہیں

جو سچ تھا اب جھوٹ ہو گیا ہے

جو ان میں سورج بنا ہوا تھا وہ شب کی تاریک وادیوں میں اتر گیا ہے

نہ کوئی تحریر جاگتی ہے نہ اب کوئی حرف بولتا ہے

نہ آنکھ رستوں کو دیکھتی ہے نہ راہ منزل آشنا ہے

وہ سارا منظر بدل گیا ہے

نہ اب زباں کی ہتھیلیوں پر دعا ٹھہرتی ہے نیکیوں کی

ہوا نے برباد کر کے رکھ دیں انائیں معصوم تتلیوں کی

نہ اب گلابوں میں وہ مہک ہے

جو رہ سے بھٹکے مسافروں کو

بہار موسم کی بستیوں کا پتہ بتائے

نہ اب وفا کی وہ بستیاں ہیں

جو تھکنے والوں' جو اپنے پیاروں کی رہگذر سے

بچھڑنے والوں کو حوصلہ دیں

انہیں دعا دیں

یہ ساری باتیں کہانیاں ہیں

نہ اب وہ آنکھیں ہیں جن میں خوابوں کے سارے موسم

گلاب موسم بنے ہوئے تھے

نہ اب وہ شامیں ہیں جن میں تیری قریب باتیں رفیق

لگتی تھیں ذہن و دل کو

نہ اب وہ دل ہے نہ دل کی گلیوں میں وہ لہو ہے

جو زندگی بن کے دوڑتا تھا

جو شاعری بن کے پتھروں میں گداز خوشبو بکھیرتا تھا

وہ سارا منظر بدل گیا ہے

نہ وصل کا کوئی خواب باقی نہ اب وہ حرف سخن رہا ہے

کہانیاں اب بدل گئی ہیں

تمہارے جانے کے بعد یوں ہے

جو خواب آنکھوں میں چاہتوں کا یقین بن کر ٹھہر گئے تھے

وہ خواب سارے بکھر گئے ہیں

ملال دل میں اتر گئے ہیں

نہ زندگی ہے نہ زندگی میں وصال موسم کی چاہ کوئی

نہ شاعری ہے نہ شاعری میں جو دکھ ہے اس سے پناہ کوئی

جو سچ تھا اب جھوٹ ہو گیا ہے

جو ان میں سورج بنا ہوا تھا وہ شب کی تاریک وادیوں میں اتر گیا ہے

کہانیاں اب بدل گئی ہیں

◆◆◆

کشف

مجھے محسوس ہوتا ہے
جہاں میں آنکھ جھپکوں گی
وہیں پر حادثہ ہو گا

◆◆◆

Long Distance Call

بہت برفاب موسم ہے
ہوائیں برف رت کی شال اوڑھے
بند کمرے میں پناہیں ڈھونڈتی ہیں
یہ کمرہ
جس میں ہیٹر جل رہا ہے اور
بدن سارے کا سارا برف کی سل بن گیا ہے
بدن کی حدتیں اب اک
غبار آلود خواہش کی طرح گم ہو رہی ہیں
مگر اس منجمد شب میں
جہاں پر ذہن سن ہو
اور پوریں بے حس و حرکت
وہاں پر سانس لینے اور لہو کو گرم رکھنے کی یہی صورت نظر آئی
کہ تم سے فون پر باتیں کروں
باتوں ہی باتوں میں
تمہارے عارض و رخسار و لب اور برف پگھلاتی ہوئی
آنکھوں کو چھو لوں اور تمہیں کہہ دوں
ذرا تم فون پر ہونٹوں کو رکھ دو....... میں بھی رکھتا ہوں
تم اپنی گرم سانسوں سے مری سانسوں کو پگھلاؤ

تصور میں مجھے چھولو....... میرے دل میں اتر جاؤ

میں تنہائی کے جس موسم کی یخ بستہ رتوں میں مبتلا ہوں

اس گھڑی ان کو

تمہارے عارض ورخسار کی حدت ہی پگھلائے تو پگھلائے

وگرنہ پھر خدا حافظ

◆◆◆

شک کا لمحہ

پھر مرے پاؤں سے زنجیر ہوئی گردِ وفا
کوچ کا حکم ہوا
جبر کا نقارہ بجا
پھر کڑی دھوپ کی ہمراہی مقدر ٹھہری
کون جانے کہ کہاں حکم پڑاؤ کا ملے
دیکھئے اب کہاں منزل کی کوئی بات بنے
کس جگہ جا کے محبت کے مسافر ٹھہریں
مرحلہ کون سا درپیش ہو ان کو پہلے
دل کے رکنے کا
یا منزل پہ پہنچ جانے کا

◆◆◆

اس دل کے چند اثاثوں میں

اس دل کے چند اثاثوں میں اک موسم ہے برساتوں کا
اک صحرا ہجر کی راتوں کا' اک جنگل وصل کے خوابوں کا

اس چودھویں رات کے سائے میں جب آخری بار ملے تھے ہم
یہ دل پاگل کب بھولتا ہے وہ باغ سفید گلابوں کا

مرے خیمہ دل کے پاس کہیں اک جگنو ٹھہر گیا اور پھر
سیلاب تھا ساری بستی میں اندازوں کا' آوازوں کا

ہم لوگ جنوں کے عالم میں منزل کی طلب بھی بھول گئے
اب دل کو بھلا سا لگتا ہے' صحرا میں عکس سرابوں کا

جن لفظوں کے کچھ معنی تھے وہ لفظ تو خواب ہوئے لیکن
اب شہر میں لگتا جاتا ہے اک میلہ نئی کتابوں کا

◆◆◆

پھول کے دل پہ ضرب

پھول کے دل پہ ضرب کاری ہے
خوشبوؤں کی ہوا سے یاری ہے

ہم سے قاتل کے خال و خد پوچھو
ہم نے مقتل میں شب گزاری ہے

تم جو چاہو تو ہم پلٹ جائیں
یہ سفر اب بھی اختیاری ہے

سو گئیں شہر کی سبھی گلیاں
اب مرے جاگنے کی باری ہے

شام کی بے یقین آنکھوں میں
کیفیت ساری انتظاری ہے

وصل کو کیسے معتبر سمجھیں
ہجر کا خوف دل پہ طاری ہے

آج تو دل کی بات کہنے دو
آج کی شام تو ہماری ہے

◆◆◆

عمرِ رواں کو غم کا پیکر

عمرِ رواں کو غم کا پیکر نہ ہونے دینا
آنکھیں عزیز رکھنا پتھر نہ ہونے دینا

تم مجھ کو زہر دینا لیکن محبتوں سے
لہجے کی چاندنی کو خنجر نہ ہونے دینا

سیراب کرتے رہنا دل کے لہو سے لوگو
لفظوں کی کھیتیوں کو بنجر نہ ہونے دینا

تم لاکھ ٹوٹ جانا پر ہجر کی شبوں میں
میلی رفاقتوں کی چادر نہ ہونے دینا

ان سکھ کے موسموں پر کم کم یقین رکھنا
دل کو کبھی دکھوں سے باہر نہ ہونے دینا

◆◆◆

آسماں سے پہلی بات

مولا تجھ سے آج کی شب
بس ایک دعا ہے ایک دعا
بے شک میری آنکھوں کی قندیل نہ قائم رکھنا
لیکن اس کے خواب کا روشن دیا سلامت رکھنا

نشانی کوئی تو اب کے

نشانی کوئی تو اب کے سفر کی گھر لانا
تکان پاؤں کی اور تتلیوں کے پر لانا

میں لکھ رہی ہوں کہانی تری رفاقت کی
جو ہو سکے تو کوئی حرف معتبر لانا

کہیں نہ ہو کہ مسلسل وفا تھکا ڈالے
محبتوں میں نیا پن تلاش کر لانا

جو کوہ قاف چلے ہو تو چاند چہروں کا
مجسمہ کوئی اچھا تراش کر لانا

سفر کے شوق میں چل تو پڑے ہو تم گھر سے
دکھوں کی گرد سے دامن نہ اپنا بھر لانا

عجب فضا ہے جہاں سانس لے رہے ہیں ہم
گھروں کو لوٹ کے آنا تو چشم تر لانا

◆◆◆

آسماں سے آخری بات

مرے پاؤں چھلنی ہوئے مگر
کہیں رک سکا نہ مرا سفر
مری نارسائی کے ہاتھ میں
نہ چراغ ہے نہ کوئی ہنر
کسی راستے کی تلاش میں
ہے لہو لہو مری چشم تر
مری بے بسی کے حساب میں
اے مرے خداؑ مرے معتبر
کوئی ہمسفر، کوئی ہمسفر

◆◆◆

ہوا رخ بدل بھی سکتی ہے

تمہیں خبر ہے
ہوا رخ بدل بھی سکتی ہے
پرندے اپنے بسیروں میں شام ڈھلنے پر
ہوا ہے یوں کہ پلٹنا بھی بھول جاتے ہیں
بہار رت میں درختوں کی ٹہنیوں سے کبھی
خزاں سے پہلے ہی پتے بچھڑنے لگتے ہیں
اور ایک عمر گزاری ہو جن کے رستوں پر
وہی تمام ریاضت کو دھول کرتے ہیں
تمہارے لب پہ ابھرتی ہوئی خفیف ہنسی
یہ کہہ رہی ہے بھلا اس میں کیا نیا پن ہے
مگر تمام کہانی میں اب نئے تم ہو
تمہیں خبر ہے
مگر یہ تمہیں خبر کب ہے
تمہارے زعمِ محبت کے اور وفاؤں کے
اسی بہار میں خیمے اکھڑ بھی سکتے ہیں
تمہیں خبر ہے
ہوا رخ بدل بھی سکتی ہے

◆◆◆

دائیں آنکھ کا دایاں کونہ

جنوریوں کی کتنی شامیں آئیں
آ کر بیت گئیں
دل نے کوئی آہٹ، کوئی دستک بھی محسوس نہ کی
لیکن سات برس کے بعد
آج کی شام میں
جانے کیا ہے
دائیں آنکھ کا دایاں کونہ بھیگ گیا ہے

◆◆◆

صبح نہیں ہو گی کبھی

صبح نہیں ہو گی کبھی دل میں بٹھا لے تو بھی
خود کو برباد نہ کر جاگنے والے تو بھی

میں کہاں تک تری یادوں کے تعاقب میں رہوں
میں جو گم ہوں تو کبھی میرا پتہ لے تو بھی

اک شبستان رفاقت ہو ضروری تو نہیں
دشت تنہائی میں آ جشن منا لے تو بھی

لفظ خود اپنے معانی کو طلب کرتا ہے
دل کی دیوار پہ اک نقش بنا لے تو بھی

ٹوٹ جائیں نہ رگیں ضبط مسلسل سے کہیں
چھپ کے تنہائی میں کچھ اشک بہا لے تو بھی

عہد حاضر میں تو پندار کی قیمت ہی نہیں
کوئی تیشہ نہ اٹھا، کاسہ اٹھا لے تو بھی

میں نے اک عمر کے خوابوں کو ترے نام کیا
اپنے احساس کو کر میرے حوالے تو بھی

میں بھی دل میں تری تصویر چھپائے رکھوں
اپنے ہونٹوں سے مرا نام مٹا لے تو بھی

◆◆◆

زندگی سے نباہ کرتے

زندگی سے نباہ کرتے رہے
شعر کہتے رہے، سلگتے رہے

تیرا آنا تو خواب تھا لیکن
ہم چراغوں کے ساتھ جلتے رہے

کیا بتائیں کہ اب کے ساون میں
ہم تجھے کتنا یاد کرتے رہے

شہر والو ہوا کی بستی میں
پھول، خوشبو، چراغ کیسے رہے

تم نے جگنو سے دوستی کر لی
ہم ستارے تلاش کرتے رہے

وصل جن کو نصیب ہو نہ سکا
ہجر کی داستان لکھتے رہے

◆◆◆

ہوا کو آوارہ کہنے والو

ہوا کو آوارہ کہنے والو
کبھی تو سوچو، کبھی تو لکھو
ہوائیں کیوں اپنی منزلوں سے بھٹک گئی ہیں
نہ ان کی آنکھوں میں خواب کوئی
نہ خواب میں انتظار کوئی
اب ان کے سارے سفر میں صبح یقین کوئی
نہ شام صد اعتبار کوئی
نہ ان کی اپنی زمین کوئی، نہ آسماں پر کوئی ستارہ
نہ کوئی موسم، نہ کوئی خوشبو کا استعارہ
نہ روشنی کی لکیر کوئی، نہ ان کا اپنا سفیر کوئی
جو ان کے دکھ پر کتاب لکھے
مسافرت کا عذاب لکھے
ہوا کو آوارہ کہنے والو
کبھی تو سوچو

◆◆◆

دوسرا اعتراف

روشنی میرا استعارہ نہیں
میں تو
اک عمر کی مسافت سے
اس کی چاہت کا
ایک بھی جگنو
اپنی مٹھی میں قید کر نہ سکی

مسلسل روکتی ہوں اس کو

مسلسل روکتی ہوں اس کو شہر دل میں آنے سے
مگر وہ کوہ کن رکتا نہیں دیوار ڈھانے سے

بھلا کیا دکھ کے آنگن میں سلگتی لڑکیاں جانیں
کہیں چھپتے ہیں آنسو آنچلوں میں منہ چھپانے سے

ابھی تو فصل تازہ ہے ہمارے حرف و معنی کی
ابھی ڈرتے نہیں ہم موسموں کے آنے جانے سے

ابھی تو عشق میں آنکھیں بجھی ہیں دل سلامت ہے
زمینیں بانجھ ہوتی ہیں کبھی فصلیں جلانے سے

تجھے تنہا محبت کا یہ دریا پار کرنا ہے
ندامت ہو گی اس کے حوصلوں کو آزمانے سے

ہمیں کس ظرف کے کردار کے قصے سناتا ہے
تجھے اے شہر ہم بھی جانتے ہیں اک زمانے سے

تجھے بھی ضبط غم کے شوق نے پتھر بنا ڈالا
تجھے اے دل بہت روکا تھا رسم و رہ نبھانے سے

◆◆◆

کتنا مشکل ہے زندگی

کتنا مشکل ہے زندگی کرنا
جس طرح تجھ سے دوستی کرنا

اک کہانی نہ اور بن جائے
تم ذرا بات سرسری کرنا

ڈوب جاؤں نہ اندھیروں میں
اپنی آنکھوں کی روشنی کرنا

کس قدر دلنشیں سا لگتا ہے
بے ارادہ تجھے دکھی کرنا

خون دل صرف کرنا پڑتا ہے
دیکھنا تم نہ شاعری کرنا

کتنا دشوار ہے انا کے لیے
سارے ماحول کی نفی کرنا

◆◆◆

وہ بے ارادہ سہی تتلیوں میں

وہ بے ارادہ سہی تتلیوں میں رہتا ہے
کہ میرا دل تو مری مٹھیوں میں رہتا ہے

میں اپنے ہاتھ سے دل کا گلا دبا دوں گی
مرے خلاف یہی سازشوں میں رہتا ہے

اڑان جس کی ہمیشہ سے جارحانہ رہی
وہ آج میری طرح بے پروں میں رہتا ہے

الاؤ بن کے دسمبر کی سرد راتوں میں
ترا خیال مرے طاقچوں میں رہتا ہے

بچا کے خود کو گزرنا محال لگتا ہے
تمام شہر مرے راستوں میں رہتا ہے

مرے کتاب محبت میں اس کا ذکر نہیں
وہ خوش خیال غلط فہمیوں میں رہتا ہے

◆◆◆

مری آواز سنتے ہو

میں تنہا ہجر کے جنگل کے غاروں میں

جلاتی ہوں

سخن کے وہ دیے جن کو

ابھی باہر کی زہریلی ہوائیں اجنبی محسوس کرتی ہیں

ابھی یہ روشنی جو سچ کی خوشبو کی حفاظت کے لیے

تاریکیوں سے لڑ رہی ہے ناشناسی کے

غبار آلود رستوں سے گزرتی ہے

ابھی جگنو شبوں میں اپنے ہونے کی گواہی تک نہیں دیتے

ابھی تو تتلیاں میلے پروں سے دربدر پھرتی ہیں بے چاری

ابھی تو چاند بھی ٹھنڈک نہیں دیتا محبت کی

ابھی تو رات کے شانوں پہ ہیں حالات کی زلفیں

مجھے معلوم ہے میں جانتی ہوں مجھ کو رہنا ہے

اسی غار اذیت میں

مگر سن لو

یہیں سے میرے ہونٹوں کو ملا ہے وصف گویائی

یہیں سے میں نے سچ کی روشنی خود میں اتاری ہے

اسی غار اذیت نے مرے لفظوں کو آوازیں عطا کی ہیں

یہیں سے ایک دن سورج نکلنا ہے وفاؤں کا

یہیں سے ایک دن حرفِ محبت بھی جنم لے گا

مرے لفظوں میں معنی کا اثر محسوس کرتے ہو

مری آواز سنتے ہو

انکشاف

مگر اک عمر
ہم نے زندگی کو زندگی محسوس کرنے کی طلب میں
رایگاں کر لی

نارسائی

جدائی ٹل تو نہیں جائے گی

تمہارے ہاتھ نے

احساس وصل کی ڈوری

جو کل بھی چھوڑنا ہے

اب بھی چھوٹ جائے گی

اگر میں وقت کے پاؤں کو چھو بھی لوں

پھر بھی

تم اپنے فیصلہ ہجر کو نہ بدلو گے

◆◆◆

ہجر کے پر بھیگ جائیں

کہاں تک خیمہ دل میں چھپائیں
اپنی آسوں اور پیاسوں کو
کہاں تک خوف کے بے شکل صحرا کی ہتھیلی پر
کریدے جائیں آنکھیں اور
لکیریں روشنی کی پھر نہ بن پائیں
ہم انساں ہو کے بھی سائے کی خوشبو کو ترس جائیں

چلو اک دوسرے کی خواہشوں کی دھوپ میں
جلتے ہوئے آنگن کی ویرانی میں آنکھیں بند کر لیں اور برس جائیں
یہاں تک ٹوٹ کر برسیں کہ پانی
وصل کی مٹی میں خوشبو گوندھ لے اور پھر سروں تک سے گزر جائے
زمیں سے آسماں تک ایک ہی منظر سنور جائے
ہمارے راستوں پر آسماں اپنی گواہی بھیج دے
خوشبو بکھر جائے
زمیں پاؤں کو چھو لے
چاندنی دل میں اتر جائے

ہوا گر ہجر کی سازش میں حصہ دار بن کر درمیاں آئے

ہجر کے پر بھیگ جائیں اور
ہوا پانی میں مل جائے

نہ کوئی خواب نہ سہیلی

نہ کوئی خواب نہ سہیلی تھی
اس محبت میں میں اکیلی تھی

عشق میں تم کہاں کے سچے تھے
جو اذیت تھی ہم نے جھیلی تھی

یاد اب کچھ نہیں رہا لیکن
ایک دریا تھا یا حویلی تھی

جس نے الجھا کے رکھ دیا دل کو
وہ محبت تھی یا پہیلی تھی

میں ذرا بھی کم وفا کرتی
تم نے تو میری جان لے لی تھی

وقت کے سانپ کھا گئے اس کو
میرے آنگن میں اک چنبیلی تھی

اس شب غم میں کس کو بتلاؤں
کتنی روشن مری ہتھیلی تھی

◆◆◆

جلتی ہوئی شمعوں کو بجھانے

جلتی ہوئی شمعوں کو بجھانے کے لیے ہے
یہ شہر تو طوفان اٹھانے کے لیے ہے

وہ حرف کی توقیر سے واقف نہ وفا سے
یہ کارِ سخن جس کو دکھانے کے لیے ہے

جس شام ترے خواب ترے ساتھ میں دیکھوں
وہ شام تو پلکوں پہ سجانے کے لیے ہے

یہ دل کہ تری یاد میں ہے آئینہ خانہ
تصویر تری آئینہ خانے کے لیے ہے

جو نام سجا کرتا تھا ہونٹوں پہ وہی اب
اک زخم ہے اور دل میں چھپانے کے لیے ہے

◆◆◆

یہ کیسا خوف تھا رخت سفر

یہ کیسا خوف تھا رخت سفر بھی بھول گئے
وہ کون لوگ تھے جو اپنے گھر بھی بھول گئے

یہ کیسی قوت پرواز ڈر نے پیدا کی
پرندے اڑتے ہوئے اپنے پر بھی بھول گئے

دکھوں نے چھین لی آنکھوں کی ساری بینائی
ہم اس کا شہر تو کیا رہگذر بھی بھول گئے

خیال تھا کہ سنائیں گے حال دل لیکن
ہم اس کے سامنے عرض ہنر بھی بھول گئے

جدا ہوئے تو کھلا ہے تمہاری بستی میں
ہم ایک دل ہی نہیں، چشم تر بھی بھول گئے

◆◆◆

کس میں پڑھنے کا حوصلہ

کس میں پڑھنے کا حوصلہ ہو گا
وہ جو دیوار پر لکھا ہو گا

زندگی میں تری ضرورت کو
ہم نے کم کر دیا تو کیا ہو گا

اب جلا لیں چراغ حرف و صدا
پھر تو اندیشہ ہوا ہو گا

اس کا کردار اس کہانی سے
خامشی سے نکل گیا ہو گا

◆◆◆

تیری خوشبو کا نرم خو جھونکا

رت جگوں کے اداس موسم میں
نیم جاں دل کے سونے آنگن میں
وصل کی پھوٹتی ہوئی کونپل
تیری خوشبو کا نرم خو جھونکا
تیرے لہجے کا یہ سنہرا پن
آج حیران ہو گئی تجھ پر
شہر نامہرباں کے ایسے ڈھنگ

◆◆◆

تیری وضاحت ٹھیک اسے

تیری وضاحت ٹھیک اسے جھٹلائے کون
لیکن کشتی اب دریا میں ڈالے کون

سب کو دکھ ہے مرنے والے کا لیکن
کون ہٹائے ملبۂ لاش نکالے کون

سورج پوجنے والوں کی اس بستی میں
موم کی چادر اوڑھ کے گھر سے نکلے کون

وہ منصور گھرانہ سب نے دیکھا ہے
لیکن اس کا نام پتہ بتلائے کون

بن سوچے جو پھول نگر کو چھوڑ گئی
اس خوشبو کو لوگو اب اپنائے کون

دیواروں پر لفظ محبت لکھنا ہے
دل کی بات بجا ہے لیکن لکھے کون

جبر کے اس موسم میں کیا کیا خواب بنے
اب منصور کی صورت دار پہ جائے کون

◆◆◆

ملال

مرا سارا شہر ہی بہہ گیا
مرے سارے لوگ اتر گئے
کہیں بے سبب سی منافقانہ فضاؤں کے کسی زہر میں
کسی بدگمان سی رات کے کسی پہر میں

مرا سارا شہر ہی بہہ گیا
مرے سارے لوگ اتر گئے
کوئی تہمتوں، کوئی پانیوں
کوئی دلفریب کہانیوں
کوئی خواہشوں کی گرانیوں
کوئی آنسوؤں کی روانیوں
کوئی سبز کائیوں کی جھیل میں
کوئی سرخ و خستہ فصیل میں

کوئی آب میں، کوئی خواب میں
کوئی اپنے کردہ عذاب میں
مرا سارا شہر ہی بہہ گیا
مرے سارے لوگ اتر گئے

مرے سارے خواب بکھر گئے

اسی شہر میں

اسی لہر میں

سمجھوتہ

ہوا کو خوشبو کو ساتھ رکھنا جو آ گیا ہے

اب اس کی مرضی کہیں بھی ٹھہرے

کسی بھی در سے بغیر دستک' بغیر آہٹ

خموشیوں کا لباس پہنے

فصیل بینائی کی حدوں سے

اداس اور منتظر دلوں سے

مثال شمشیر چلتی جائے

ہوا کو خوشبو کو ساتھ رکھنا جو آ گیا ہے

مفاہمت کے سمندروں میں چناب موجوں کے ساتھ بہنا جو آ گیا ہے

ہوا کی مرضی کہ اب وہ خوشبو کی کشتیوں کو کنارے لائے

کہ پھر میان صدائے دشت وفا ڈبو دے

ہوا کو خوشبو کو ساتھ رکھنا جو آ گیا ہے

اب اس کی مرضی

کہ وہ وفا کے تمام رنگوں' تمام جذبوں کو ساتھ رکھے

کہ روشنی کو شگفتہ خوشبو سے دور کر دے

ہوا کو خوشبو کو ساتھ رکھنا جو آ گیا ہے

◆◆◆

آنکھیں بھی وہی ہیں

آنکھیں بھی وہی ہیں تو دریچہ بھی وہی ہے
اور سوچ کے آنگن میں اترتا بھی وہی ہے

جس نے مرے جذبوں کی صداقت کو نہ جانا
اب میری رفاقت کو ترستا بھی وہی ہے

اس دل کے خرابے سے گزر کس کا ہوا ہے
آنکھیں بھی وہی، ہونٹ بھی، لہجہ بھی وہی ہے

جو کچھ بھی کہا تھا مری تنہائی نے تجھ سے
اس شہر کی دیوار پہ لکھا بھی وہی ہے

وہ جس نے دیئے مجھ کو محبت کے خزانے
بادل کی طرح آنکھ سے برسا بھی وہی ہے

◆◆◆

ہے محبت عذاب

ہے محبت عذاب، بربادی
دل کو یہ بات کس نے سمجھا دی

بے وفائی نے خاک کر ڈالی
چاہتوں کی ہری بھری وادی

اک شب وصل کی گزارش تھی
اس نے تصویر اپنی بھجوا دی

تیرے غم کی جزیرہ دل میں
پھیلتی جا رہی ہے آبادی

کس قدر بانجھ ہوتی جاتی ہے
تخت اخلاص تیری شہزادی

وقت ظالم تھا میری ہر خواہش
اس نے دیوار غم میں چنوا دی

◆◆◆

کیسے آئے گا تیرے

کیسے آئے گا تیرے خد و خال کا موسم
قسمتوں میں لکھا ہے جب زوال کا موسم

کس نے کھیل کھیلا ہے کس نے ہجر جھیلا ہے
اب گزر گیا جاناں اس سوال کا موسم

کس طرح سے ممکن تھا ایک شاخ پہ کھلتے
میں کہ ہجر کا لمحۂ تو وصال کا موسم

دل کہ اب تو صحرا ہے اور ایسے صحرا میں
جانے کب تلک ٹھہرے اب ملال کا موسم

آج تک بھی ٹھہرا ہے دل کی رہگزاروں پر
تیرے لمس کا، تیرے خد و خال کا موسم

ہم کبھی تو دیکھیں گے وحشتوں کے صحرا میں
اے خدا محبت کے اعتدال کا موسم

◆◆◆

شام کی حویلی میں

اک برس کے عرصے میں

چار چھ ملاقاتیں

شام کی حویلی میں

صبح کے مہکنے کی بے یقین سی باتیں

کچھ عذاب ماضی کے

گفتگو کا موضوع تھے

کچھ سوال خوابوں کے

کچھ جواب آنکھوں کے مشترک سے جذبوں کے

آئینوں میں دیکھے تھے

آئینے تو سچے تھے

اور وہ ملاقاتیں

چار چھ ملاقاتیں

جن میں تیری باتوں کی بارشوں کے موسم نے

جتنے جھوٹ بولے تھے

شام کی حویلی میں

جتنے زہر گھولے تھے

تیرا بے وفا لہجہ دھیان میں جب آتا ہے

تب سوال کرتی ہیں

میری عمر کی راتیں

اک برس کے عرصے میں
چار چھ ملاقاتیں

ہنر کا آخری لمحہ

ہمیں ہمراہ چلنے کا ہنر آتا تو ہے لیکن
محبت میں بہت دشوار ہوتا ہے
بدن سانسوں کی حدت سے پگھلتے ہوں
مگر دل بدگمانی کے غبار آلود رستوں پر نکل جائیں
جہاں پر خواہشیں بھی ہاتھ ملتی ہوں ندامت سے
انہی بے سمت لمحوں میں دلوں پر یہ بھی کھل جائے
محبت اور سمجھوتے میں کتنا فرق ہوتا ہے
وہیں ہمراہ چلنے کا ہنر دم توڑ دیتا ہے

◆◆◆

کیا ملا محبت سے؟

خواب کی مسافت سے
وصل کی تمازت سے
روز و شب ریاضت سے
کیا ملا محبت سے
ایک ہجر کا صحرا
ایک شام یادوں کی
ایک تھکا ہوا آنسو

◆◆◆

ایک دورا ہا

تنہا اور اداس مسافر

کس سے پوچھے

کون ہوں میں

اور کہاں ہے وہ؟

موسموں کی تبدیلی

موسموں کی تبدیلی
کوئی راز ہی کھولے
خوف کے جزیرے میں
راستہ دکھائے کو
اس کی درد آنکھوں کو
روشنی ہی اب بولے

واہمے سارے تیرے اپنے

واہمے سارے تیرے اپنے ہیں
ہم کہاں تجھ کو بھول سکتے ہیں

میری آنکھوں میں ایک مدت سے
قافلے رتجگوں کے ٹھہرے ہیں

سر برہنہ ہواؤں سے پوچھو
ذائقے ہجرتوں کے کیسے ہیں

بعض اوقات خشک پتے بھی
پاؤں پڑتے ہی چیخ اٹھتے ہیں

عشق کے خوش گمان موسم میں
پتھروں میں گلاب کھلتے ہیں

◆◆◆

خزاں کی گرد میں

خزاں کی گرد میں یا موسم بہار میں ہوں
یہ کیسا موڑ ہے میں کس کے انتظار میں ہوں

مجھے بھی حرف صداقت کی بھیک دے مولا
میں تیرے در کی بھکارن ہوں اور قطار میں ہوں

شب سیہ میں بھلا کوئی ساتھ کیا دیتا
میں بے چراغ مسافر ہوں اور غبار میں ہوں

مرا شعور بہلتا نہیں ہے لفظوں سے
میں تیرے خط کے نہیں تیرے انتظار میں ہوں

بدن میں روشنی خوشبو کے ساتھ آئی ہے
میں تیرے خواب میں یا موسم بہار میں ہوں

کسی سے کوئی گلہ ہے نہ خوش گمانی دل
کئی دنوں سے عجب طرح کے فشار میں ہوں

◆◆◆

خوف کی شب میں ہونٹ

خوف کی شب میں ہونٹ سینے سے
مرنا بہتر ہے ایسے جینے سے

کچھ تو قائم رہے انا کا بھرم
دیکھنا ہے اسے قرینے سے

یوں تماشا تو اس کو ہونا تھا
جو گری آرزو کے زینے سے

کچھ ہواؤں کا اعتبار نہیں
ورنہ کیا خوف اس سفینے سے

دل کا اب تلخیوں سے ناتہ ہے
لطف لیتا ہے زہر پینے سے

◆◆◆

ہم جو شاعر ہیں سخن سوچ

ہم جو شاعر ہیں، سخن سوچ کے کب کرتے ہیں
لفظ خود اپنے معانی کو طلب کرتے ہیں

کچھ تو چمکائے ہوئے رہتے ہیں شب کو آنسو
کچھ تری یاد کے جگنو بھی غضب کرتے ہیں

تجھ کو احساس کہاں ہے کہ ترے ہجر میں ہم
کس طرح جاگتے سوتے ہوئے شب کرتے ہیں

اس قدر سہمے ہوئے لوگ ہیں اس بستی کے
اب کسی خوف کا اظہار بھی کب کرتے ہیں

لوگ جو پیار کی دولت کے امیں ہوتے ہیں
ان کی توہین نہیں کرتے ادب کرتے ہیں

◆◆◆

دل مرا اک کتاب

دل مرا اک کتاب کی صورت
جس میں وہ ہے گلاب کی صورت

ہم سے پوچھو کہ ہم گزار آئے
زندگی کو عذاب کی صورت

حسن کچے گھڑے کا شیدائی
عشق موج چناب کی صورت

عشق میں اس طرح نہیں ہوتا
یہ نہیں ہے نصاب کی صورت

میں کڑی دوپہر کی تنہائی
وہ شب ماہتاب کی صورت

پوچھتا ہے کہ میری غزلوں میں
کون ہے اضطراب کی صورت

میں وفا کی وہی پرانی کتاب
وہ نئے انتساب کی صورت

جو نہیں کر سکے کبھی وہ سوال
اس نے لکھا جواب کی صورت

◆◆◆

روشنی دل کے دریچوں میں

روشنی دل کے دریچوں میں بھی لہرانے دے
اس کو احساس کے آنگن میں اتر جانے دے

حبس بڑھ جائے تو بینائی چلی جاتی ہے
کھڑکیاں کھول کے رکھ تازہ ہوا آنے دے

تیرے روکے سے وہ بد عہد کہاں رکتا ہے
پاؤں چھونے سے تو بہتر ہے اسے جانے دے

جن میں اب تک مرے بچوں کا لہو جلتا ہے
ان مکانوں پہ تو پرچم مرا لہرانے دے

تو جو آیا ہے تو جی بھر کے تجھے دیکھیں گے
بارش اشک ذرا آنکھ سے تھم جانے دے

◆◆◆

پڑاؤ

مگر

اب تمہارے لیے

میری دہلیز پر آ کے رکنا بھی کوئی ضروری نہیں

اب تمہاری تھکانیں

کسی اور چہرے پہ ہنستی ہوئی

نرم آنکھوں کو چھو کر بہلنے لگیں

اب تمہارے سفر

اور سفر میں محبت سے اک ساتھ چلنے کے معیار بھی تو جدا ہو گئے

اب جہاں پر تمہاری طلب کا پڑاؤ

وہی چہرے اچھے

وہیں آنکھیں سچی

وہیں پر تھکانوں کے احساس زائل

وہیں زندگی کے سبھی رنگ روشن

◆◆◆

خوشبوؤں کی سفیر تتلی

گلاب شاخوں پہ کھل رہے ہیں
جو حرف ہونٹوں پہ جم گئے تھے
انہیں اب آواز مل گئی ہے
پروں سے محروم فاختاؤں کو اذن پرواز مل گیا ہے
جو پھول خوشبو کے بانکپن سے بچھڑ گیا تھا
گلاب بن کر مہک رہا ہے
مہک رہا ہے یہ باغ سارا مہک رہا ہے
یگانگت اور محبتوں کے عمل کا جو خواب زرد موسم کی
آندھیوں نے بجھا دیا تھا
وہ رفتہ رفتہ نئے دنوں کی ہتھیلیوں پر سحر کا پیغام لکھ رہا ہے
ہمارے جہد و عمل کی تاریخ چار باغوں کو ایک خوشبو کی
مرکزیت کے پھول سانچے میں ڈھالتی ہے
محبتوں کے دیے جلاتی ہے اور شبوں کو اجالتی ہے

وہ سارا منظر بدل رہا ہے
جو عدل کے قتل کا سبب بن کے رہ گیا تھا
وہ سارا منظر بدل رہا ہے

فضا میں نغمے بکھر رہے ہیں

دلوں میں آزادی وفا کے امین چہرے نکھر رہے ہیں

ہمارے باغوں کو ایک تتلی نے کتنے رنگوں کی بارشوں سے سجا دیا ہے

شعور تازہ ہوا دیا ہے

ہماری شاموں کو خواہشوں کے ہزار جگنو عطا کیے ہیں

ہمارے باغوں میں خوشبوؤں کی سفیر تتلی

یہی علامت صداقتوں کی

یہی اشارہ ہے روشنی کا

یہ استعارہ ہے زندگی کا

یہی سفینہ ہے ساحلوں پر پہنچنے والے مسافروں کا

◆◆◆

موسم غم جاں

کوئی چھاؤں ہو
جسے چھاؤں کہنے میں
دوپہر کا گماں نہ ہو
کوئی شام ہو
جسے شام کہنے میں شب کا کوئی نشاں نہ ہو
کوئی وصل ہو
جسے وصل کہنے میں ہجر رت کا دھواں نہ ہو
کوئی لفظ ہو
جسے لکھنے پڑھنے کی چاہ میں
کبھی ایک لمحہ گراں نہ ہو
یہ کہاں ہوا ہے کہ ہم تمہیں
کبھی اپنے دل سے پکارنے کی سعی کریں
وہیں آرزو بے اماں نہ ہو
وہیں موسم غم جاں نہ ہو

◆◆◆

ایک جیسا مکالمہ

بچھڑتے لمحوں میں

اس نے مجھ سے کہا تھا دیکھو

ہماری راہیں جدا جدا ہیں

مگر ہمیں ایک دوسرے کا خیال رکھنا ہے زندگی بھر

کسی بھی لمحہ اداسیوں کی

فصیل حائل نہ ہونے دینا

ہوا کے ہاتھوں پہ لکھتے رہنا

جدائیوں کے تمام قصے

قدم قدم پر جو پیش آئیں

وہ سانحے بھی نظر میں رکھنا

میں جب بھی لوٹا تو اپنے ہونٹوں کی تازگی کو

تمہاری بجھتی ہوئی ان آنکھوں میں لا رکھوں گا

جو میری اپنی ہیں صرف میری

بچھڑتے لمحوں میں اس نے مجھ سے نہ جانے کیا کچھ کہا سنا تھا

اور اب

اسے بھی یہی کہے گا

وہ جس کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے

نئے سفر پر نکل پڑا ہے

◆◆◆

وہ بات بات میں اتنا

وہ بات بات میں اتنا بدلتا جاتا ہے
کہ جس طرح کوئی لہجہ بدلتا جاتا ہے

یہ آرزو تھی کہ ہم اس کے ساتھ ساتھ چلیں
مگر وہ شخص تو رستہ بدلتا جاتا ہے

رتیں وصال کی اب خواب ہونے والی ہیں
کہ اس کی بات کا لہجہ بدلتا جاتا ہے

رہا جو دھوپ میں سر پہ مرے وہی آنچل
ہوا چلی ہے تو کتنا بدلتا جاتا ہے

وہ بات کر جسے دنیا بھی معتبر سمجھے
تجھے خبر ہے زمانہ بدلتا جاتا ہے

◆◆◆

اک حصار گماں میں

اک حصار گمان میں رکھا
عمر بھر امتحان میں رکھا

اک محبت سا حرف بے معنی
ہم نے لفظ و بیان میں رکھا

دل نے اک حشر کر دیا برپا
تیر جب بھی کمان میں رکھا

گھر کی خواہش میں عمر بھر خود کو
ایک خالی مکان میں رکھا

اس ہوا میں ترے چراغوں کو
ہم نے اپنی امان میں رکھا

◆◆◆

کسی حرف میں کسی باب میں

کسی حرف میں کسی باب میں نہیں آئے گا
ترا ذکر مری کتاب میں نہیں آئے گا

نہیں جائے گی کسی آنکھ سے کہیں روشنی
کوئی خواب اب کے عذاب میں نہیں آئے گا

کوئی خود کو صحرا نہیں کرے گا مری طرح
کوئی خواہشوں کے سراب میں نہیں آئے گا

دل بد گماں ترے موسموں کو نوید ہو
کوئی خار دست گلاب میں نہیں آئے گا

اسے لاکھ دل سے پکار لو اسے دیکھ لو
کوئی ایک حرف جواب میں نہیں آئے گا

تری راہ تکتے رہے اگرچہ خبر بھی تھی
کہ یہ دن بھی تیرے حساب میں نہیں آئے گا

◆◆◆

ایک دل تھا سو وہ

ایک دل تھا وہ سو بجھ گیا، روشنی
روشنی اے خدا، اے خدا روشنی

کچھ بھی کہہ لیں تجھے سب ترے نام ہیں
پھول، خوشبو، ستارے، صبا روشنی

شب کے آنگن میں جب شام گرنے لگی
کون تھا دل میں جس نے کہا روشنی

اب ستارے سجانے سے کیا فائدہ
اس سے ملنے کا موسم گیا روشنی

شب کے ماتھے پہ کل جانے کس خواب میں
اپنی آنکھوں سے میں نے لکھا روشنی

گھر گئے کیسے دوہرے عذابوں میں ہم
رہنا شب میں مگر سوچنا روشنی

◆◆◆

مرے خلاف ہوا ہے

مرے خلاف ہوا ہے تو اس کا ڈر بھی نہیں
یہ جانتے ہیں کہ وہ اتنا معتبر بھی نہیں

تجھے بھی دیکھ لیا شام وعدۂ آخر
اب اعتبار ہمیں تیرے نام پر بھی نہیں

یہاں تو سانس بھی لینا محال لگتا ہے
ہم اس فصیل کے قیدی ہیں جس میں در بھی نہیں

بہت شدید ہے خواہش اڑان کی لیکن
قفس نصیب پرندوں کے بال و پر بھی نہیں

محبتوں میں وفا کی سزا تو ملنی تھی
دل تباہ ترے کام معتبر بھی نہیں

◆◆◆

تلاش

سارے موسم
ساری باتیں
آس گلاب وہی ہیں
جاگنے والی آنکھیں ہیں
اور ان کے خواب وہی ہیں
لیکن اتنا فرق پڑا ہے
جب تم مجھ سے فون پہ باتیں کرتے ہو تو
لفظوں میں اب خود کو ڈھونڈنا پڑتا ہے

◆◆◆

عجب تعلق سا ہو گیا ہے

عجب تعلق سا ہو گیا ہے

تمہاری آنکھوں کے جلتے بجھتے ان آئینوں سے

یہ کیا مراسم نکل پڑے ہیں

تمہارے دل کی اداس گلیوں میں رہنے والے

دکھوں کے سارے ہی موسموں سے

کمال رشتے میں بندھ رہے ہیں

جو درد کا ہے جو روح کا ہے

جو زندگی کی شکستگی کے عذاب کا ہے

یہ لگ رہا ہے کہ جیسے آنکھوں میں

سارا منظر ہی خواب کا ہے

سراب کا ہے

یہ کس طرح کے سفر میں اپنی رفیق شامیں گزر رہی ہیں

کہ جن میں منزل کی خواہشیں ہیں

نہ راستوں کا یقین کوئی

جہاں جہاں سے گزر رہے ہیں

ہوا کے ہاتھوں پہ پاؤں رکھتے صبا کی صورت گزر رہے ہیں

ہمارے جذبوں کی تتلیوں کے پروں پہ جو دکھ لکھا گیا ہے

وہ اپنے سچ کا گواہ بن کر خود اپنے ہونٹوں سے بولتا ہے

اور اس صدا میں جو اک کسک ہے وہ مشترک ہے

ہماری راتوں میں یہ جو ہلکی سی اک کرن ہے

وہ مشترک ہے

جو تیرگی ہے سو مشترک ہے

یہ اجنبیت کے راستوں پر جو آشنارت گلاب بن کر مہک رہی ہے

تو اس مہک سے بھی اک تعلق نکل پڑا ہے

عجب مراسم سے ہو گئے ہیں

تمہارے دل کی اداس گلیوں میں رہنے والے دکھوں کے سارے ہی موسموں سے

تمہاری آنکھوں کے جلتے بجھتے ان آئینوں سے

مری وفا کے تمہاری خواہشوں کے سلسلوں سے

◆◆◆

اک کمال کی خواہش

کس طرح سجاتے ہو
مصلحت کی شاموں میں
محفلیں محبت کی
اور محبتیں بھی وہ
سال بھر مہک جن کی
دل کی ساری گلیوں میں
رقص کرتی پھرتی ہے

کس طرح جلاتے ہو
آندھیوں کے موسم میں
تم دیئے رفاقتوں کے
تم جو پیار کی دولت
اپنے دل کے ہاتھوں سے
خوشبوؤں کی باتوں سے
اس طرح لٹاتے ہو
جس طرح کوئی جگنو
شب کے رہگزاروں پر
روشنی لٹاتا ہے

تم جو حبس موسم میں
اک ہوا کا جھونکا ہو
کس طرح سجاتے ہو
مصلحت کی شاموں میں
محفلیں محبت کی
کچھ ہمیں بھی بتلاؤ
کچھ ہمیں بھی سکھلاؤ
ہم تو اپنے صحرا کے
بے نوا مسافر ہیں
ہم تمہارے جذبوں کی
نیک سی فضاؤں میں
پھول جیسے گیتوں کی
رقص کرتی خوشبو کے
بے قرار شاعر ہیں

◆◆◆

ہوا کب ہاتھ آتی ہے

ہوا بے شکل ہے پھر بھی کئی شکلیں بناتی ہے
کئی منظر سجاتی ہے
کبھی شاخوں سے پھولوں کو
کبھی پھولوں سے خوشبو کو اڑاتی ہے
کبھی یہ تتلیوں کے
نرم اور نازک پروں میں رنگ بھرتی ہے
انہیں اڑنا سکھاتی ہے
کبھی یادوں کی بوسیدہ کتابوں کا انہیں قیدی بناتی ہے
کبھی سانسوں کی ٹہنی پر
حیات جاوداں کی فاختاؤں کو اڑا کر حبس کے خنجر چلاتی ہے
ہوا بے شکل ہے پھر بھی کئی منظر سجاتی ہے
کئی رستے بچھاتی ہے
کبھی تپتی ہوئی دوپہر میں سائے بناتی ہے
کبھی سائے کی انگلی تھام کر بھٹکے مسافر کو
وفا کی راہ پر چلنا سکھاتی ہے
کبھی منزل سے کچھ پہلے گمان و بدگمانی کی فضا تیار کرتی ہے
مسافر کو تھکا دیتی ہے دیواریں اٹھاتی ہے
ہوا بے شکل ہے پھر بھی کئی شکلیں بناتی ہے

کئی منظر سجاتی ہے
کبھی تاریک راتوں میں چراغوں کی لووں سے کھیلتی ہے
پھر بجھاتی ہے
کبھی دن کے اجالوں سے چمکتی ریت کو تلوار کرتی ہے
بدن کو دھوپ کے ہاتھوں جلاتی ہے
ہوا بے شکل ہے پھر بھی کئی شکلیں بناتی ہے
ہوا کب ہاتھ آتی ہے

◆◆◆

تم پتھر ہو
اسی لیے تو
شیشے جیسے لوگوں کو
بس پتھر کہنا جانتے ہو

جس میں زندگی نکلی

ڈھونڈنے جس میں زندگی نکلی
وہ اسی شخص کی گلی نکلی

تیرے لہجے میں کیا نہیں تھا مگر
صرف سچ کی ذرا کمی نکلی

اس کی آنکھوں کا رنگ گہرا ہے
اور میں ہلکی سانولی نکلی

وہ جو لگتی تھی کانچ کی گڑیا
ضرب پڑنے پہ آہنی نکلی

اس حویلی میں شام ڈھلنے پر
ہر دریچے سے روشنی نکلی

وہ ہوا تو نہیں تھی لڑکی تھی
کس لیے اتنی سر پھری نکلی

وہ ترے آسماں کا کیا کرتی
جس کی مٹی سے دوستی نکلی

عمر پردہ نشیں نہیں ہوتی
جب ڈھلی سر سے چاندنی نکلی

◆◆◆

نہ باب حرف وصدامیں

نہ باب حرف و صدا میں، نہ ماہ و سال میں تھا
جواب جس کا نہیں تھا، وہ اس سوال میں تھا

میں زندگی کی طرح اس کی بات بات میں تھی
وہ روشنی کی طرح، میرے خد و خال میں تھا

یہ حرف حرف میں خوشبو یہ روشنی کا ہنر
مرا تو کچھ بھی نہیں، سب ترے جمال میں تھا

جو مسکرا کے جدائی کی بات کرتا تھا
مجھے ملا تو گرفت شب ملال میں تھا

یہ لوگ یوں تو نہیں تھے جو اب زوال میں ہیں
یہ شہر ایسا نہیں تھا کہ جب کمال میں تھا

کہ منظروں میں جو منظر تھے وہ کھلے مجھ پہ
یہی ہنر تو مری وسعت خیال میں تھا

اندھیری رات میں جیسے چراغ جل اٹھیں
یہ کیا طلسم ترے اسم بے مثال میں تھا

◆◆◆

گلی کوچوں میں برگ خشک

گلی کوچوں میں برگ خشک کی صورت بکھرنا تھا
ہوا سے دوستی کا کوئی تو انجام ہونا تھا

جنوں کے شہر میں لیکن ہماری ہار لازم تھی
ادھر اک شاعرہ تھی اس طرف سارا زمانہ تھا

یہ ساری عمر کس آشفتگی میں رایگاں کر دی
اسی کو یاد رکھا ہے جسے دل سے بھلانا تھا

عجب وحشت کا عالم ہے سمجھ میں کچھ نہیں آتا
سفر کی شب مسافر کو کہاں خیمہ لگانا تھا

دیے جو بام پر رکھے تھے میں نے بجھ گئے سارے
اسی تاریک شب میں اس کو میرے گاؤں آنا تھا

وہ جب اوجھل ہوا تو ہم بھی اپنے آپ سے چونکے
"اسے آواز دینا تھی، اسے واپس بلانا تھا"

◆◆◆

ملا خوشبو کو گل کا راستہ

ملا خوشبو کو گل کا راستہ آہستہ آہستہ
بنی اس کی رفاقت کی فضا آہستہ آہستہ

یہ خاموشی تو میرے دل کی دیواریں گرا دے گی
محبت ہو نہ ہو پر لب ہلا آہستہ آہستہ

اچانک شاخ دل تیری کہیں ویراں نہ ہو جائے
پرندے میری یادوں کے اڑا آہستہ آہستہ

یہ سوچا تھا کہ زخم دل بدن میں پھیل جائے گا
مگر تو نے مداوا کر دیا آہستہ آہستہ

اچانک سامنے پا کر کہیں سانسیں نہ رک جائیں
مری آنکھوں سے ہات اپنے ہٹا آہستہ آہستہ

بس اک تیرے خیال و خواب کا جگنو تھا پھر وہ بھی
مری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا آہستہ آہستہ

مری آنکھوں کی بارش تھم گئی تب آسمانوں پر
تری چاہت کا ہالہ بن گیا' آہستہ آہستہ

◆◆◆

اپنی اپنی خواہشوں کے عکس

اپنی اپنی خواہشوں کے عکس میں دیکھا گیا
ایک لڑکی کو یہاں کس کس طرح سوچا گیا

اک سخن آثار سا چہرہ تو ہے دل میں مگر
وہ نہیں جو شہر کی دیوار پر لکھا گیا

خواب کے قیدی رہے تو کچھ نظر آتا نہ تھا
جب چلے تو جنگلوں میں راستہ بنتا گیا

تہمتیں تو خیر قسمت تھیں مگر اس ہجر میں
پہلے آنکھیں بجھ گئیں تھیں اور اب چہرہ گیا

ہم وہ محروم سفر ہیں دشت خواہش میں جنہیں
اک حصار بے در و دیوار میں رکھا گیا

برملا سچ کی جہاں تلقین کی جاتی رہی
پھر وہاں جو لوگ سچے تھے انہیں روکا گیا

ہم وہ بے منزل مسافر ہیں جنہیں ہر حال میں
ہم سفر رکھا گیا اور بے نوا رکھا گیا

پھر امیر شہر تھا اور مخبروں کی بھیڑ تھی
پھر امیر شہر خلقت سے جدا ہوتا گیا

کھا گیا شوق غرور بزم آرائی اسے
صاحب فہم و فراست تھا مگر تنہا گیا

◆◆◆

بے شک نہ میرے ساتھ

بے شک نہ میرے ساتھ سفر اختیار کر
اے میرے بد گمان مرا اعتبار کر

وہ خود تو تتلیوں کو لیے گھومتا رہا
اور مجھ کو خط میں لکھتا رہا انتظار کر

اب ان کے قافلے تو کہیں دور جا چکے
جن کی طلب میں آئے تھے صحرا گزار کر

میں نے تو تیرے ہجر کا دکھ جھیل ہی لیا
اب تو بھی خود کو وقف رہ انتظار کر

کب ہو سکی ہے ان کی سمندر سے دوستی
مٹی کے ان گھروندوں پہ کم انحصار کر

فرصت ملے تو دیکھ مرے دل کے آئینے
آنکھوں سے اپنی کاغذی پردے اتار کر

◆◆◆

کسی اور کے خواب نہیں دیکھے

کسی اور کے خواب نہیں دیکھے، کسی اور کو کب اپنایا ہے
پھر اپنے دل کی گلیوں میں تری یاد کا دیا جلایا ہے

اک مدت بعد ملے ہو تم، احساس ندامت میں ڈوبے
آنکھیں بھی بھیگی بھیگی ہیں، چہرہ بھی اترا اترا ہے

تری یاد کی اجڑی بستی میں تنہائی کی گہری راتوں میں
اک دیپ ابھی تک روشن ہے اک زخم ابھی تک گہرا ہے

ہر لمحہ ڈھونڈتی رہتی ہیں مری آنکھیں تیری آنکھوں میں
وہ بات جو میں سمجھا نہ سکی، وہ حرف جو اب تک زندہ ہیں

بچپن میں جس کے باغوں میں ہم تتلی جگنو کہلائے
وہ سندر گلیاں کیسی ہیں، گلشن کا نقشہ کیسا ہے

مرے آنگن سے ترے محلوں تک حالات فصیلیں حائل ہیں
مرے گاؤں کے اپنے رستے میں، ترے شہر کا اپنا نقشہ ہے

◆◆◆

میرے ہونے کی جو گواہی

میرے ہونے کی جو گواہی دے
اے خدا کوئی معجزہ ہی دے

خامشی عدل کی دلیل نہیں
میرے منصف مجھے سزا ہی دے

میں بھی منزل کی کھوج میں نکلوں
خلقت شہر راستہ ہی دے

کچھ نہ کچھ تو ملے وفا کا صلہ
ایک الزام بے وفا ہی دے

◆◆◆

مجھے خوف ہے
وہ نباہ کے کسی مرحلے پہ
یہ آ کے کہہ دے کہ اب نہیں
میرے دل کو تیری طلب نہیں

پچھلے سال کی ڈائری کا آخری ورق

کوئی موسم ہو وصل و ہجر کا
ہم یاد رکھتے ہیں
تری باتوں سے اس دل کو
بہت آباد رکھتے ہیں

کبھی دل کے صحیفے پر
تجھے تصویر کرتے ہیں
کبھی پلکوں کی چھاؤں میں
تجھے زنجیر کرتے ہیں
کبھی خوابیدہ شاموں میں
کبھی بارش کی راتوں میں

کوئی موسم ہو وصل و ہجر کا
ہم یاد رکھتے ہیں

تری باتوں سے اس دل کو
بہت آباد رکھتے ہیں

◆◆◆

بازیافت

اب کہاں میں اداس رہتی ہوں

اب تو ہر دور کو متانت سے اپنے اندر اتار لیتی ہوں

اپنی زیبائی کے قرینے سے نت نئے زاویوں سے سجتی ہوں

ہر نئے دن تمہارے چہرے کو

کتنی وارفتگی سے تکتی ہوں

ہر نئی شب تمہارے لمس کے ساتھ

کس قدر سادگی سے سجتی ہوں

اور ہر کیفیت کی شدت پر

صرف آہستگی سے ہنستی ہوں

تم بھی اب خوشگوار رہتے ہو

میں بھی کب پہلے جیسی لڑکی ہوں

ایسا لگتا ہے جیسے اب شاید

اپنے دل میں تمہاری مرضی کی

کوئی گڑیا بنا کے رکھ دی ہو

◆◆◆

راہ سے بھٹکیں تو منزل پر پہنچ جائیں

یہ دل اس کی محبت سے جدا ہو کر
دھڑکنا سیکھ جائے تو
نجانے کتنے جگنو مٹھیوں میں جگمگا اٹھیں
اندھیرے دور ہو جائیں
تمہاری راہ سے بھٹکیں تو منزل پر پہنچ جائیں

آگہی

تمہیں معلوم ہے ہم نے

کسی کے ہجر میں یہ زندگی کیسے گزاری ہے

ہر اک خوشبو کی آہٹ پر

گماں اس کا گزرتا تھا

ہر اک ساعت پہ دل آنکھوں میں آ کر بیٹھ جاتا تھا

کئی پہلو بدلتی خواہشیں ہاتھوں کو پھیلائے

دعائیں مانگتی........ اور ہانپتی

دل سے گزرتی تھیں

مگر جو ہجر لاحق ہے

وہ جسم و جاں کی دیواریں گراتا ہے

امید و بیم کی آنکھوں سے بینائی کے سارے منظروں کو

خاک کرتا اور مٹاتا ہے

سو ہم بھی خاک ہیں

اور خاک کی تقدیر میں لکھا گیا ہے

بے اماں رہنا

◆◆◆

نام لے لے کر نہ میرا

نام لے لے کر نہ میرا شہر کی نظروں میں آ
مجھ سے ملنا ہے تو میرے دل کے صحراؤں میں آ

اس سفر میں دیکھ گھل جاتا ہے مٹی کا بدن
مجھ سے ملنے کی نہ خواہش کر نہ برساتوں میں آ

لوگ تجھ کو گنگنائیں میری خواہش کی طرح
اک اچھوتے شعر کی صورت مری غزلوں میں آ

بے ہنر لوگوں نے پھر مانگا مرے فن کا ثبوت
آ مری سچائی کی خوشبو مرے لفظوں میں آ

گھر کے دروازے پہ آ کر کیوں قدم رکھنے لگے
آ مری تنہائی میری منتظر بانہوں میں آ

◆◆◆

بد گمانی کے سرد موسم میں
برف گرتی رہی بدن پہ مرے
اور سینے کے ساتھ لپٹی ہوئی
میری گڑیا کے ہاتھ نیلے ہوئے

◆◆◆

پس دیوار کا منظر

خوف کے بیاباں میں
کون یہ بتائے گا
عمر بھر کی محرومی
ہولناک رستوں پر
موت کیوں دکھاتی ہے؟

◆◆◆

خوف

فضا میں حبس ہے
تاریکیاں کچھ اور گہری ہو گئی ہیں
مناظر میں یہ کیسی وحشتیں حیراں کھڑی ہیں
اور
ہوائیں اس نگر کا راستہ بھولی ہوئی ہیں
دلوں پر اک اچانک حادثے کا خوف طاری ہے

◆◆◆

اس کے ہونے کا یقیں جب

اس کے ہونے کا یقیں جب ہم سفر بن جائے گا
دیکھ لینا دشت میں بھی ایک گھر بن جائے گا

یوں تو دونوں ہی شناسا ہیں جنوں کے وصف سے
بے دلی یوں ہے کہ یہ سب درد سر بن جائے گا

اس کی باتوں کا اجالا اس کی خوشبو کا سرور
ہجرتوں کے دشت میں رخت سفر بن جائے گا

صبح دم اس کا بدن تھا میری خوشبو کا سفیر
کب گماں تھا وصل اتنا معتبر بن جائے گا

دھیرے دھیرے دیکھنا اک دن وفا کا سلسلہ
کشتی دل کے لیے غم کا بھنور بن جائے گا

◆◆◆

رکتا بھی نہیں ٹھیک سے

رکتا بھی نہیں ٹھیک سے چلتا بھی نہیں ہے
یہ دل کہ ترے بعد سنبھلتا بھی نہیں ہے

یہ شہر کسی آئینہ کردار بدن پر
الزام لگاتے ہوئے ڈرتا بھی نہیں ہے

اک عمر سے ہم اس کی تمنا میں ہیں بے خواب
وہ چاند جو آنگن میں اترتا بھی نہیں ہے

پھر دل میں تری یاد کے منظر ہیں فروزاں
ایسے میں کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے

اس عمر کے صحرا سے تری یاد کا بادل
ٹلتا بھی نہیں اور برستا بھی نہیں ہے

ہمراہ بھی خواہش سے نہیں رہتا ہمارے
اور بام رفاقت سے اترتا بھی نہیں ہے

◆◆◆

سب اپنی ذات کے اظہار

سب اپنی ذات کے اظہار کا تماشا ہے
وگرنہ کون یہاں پانیوں پہ چلتا ہے

تمام عمر کی نغمہ گری کے بعد کھلا
یہ شہر اپنی سماعت میں سنگ جیسا ہے

اسے بھی ڈھنگ نہ آئے گا بات کرنے کا
مجھے بھی عرض ہنر کا کہاں سلیقہ ہے

مرا وجود ہے اور بے شمار آنکھیں ہیں
یہ سارا شہر ہے اور اس میں ایک چہرہ ہے

چھتوں سے دھوپ تو رکتی ہے بھوک ٹلتی نہیں
تلاش رزق میں گھر سے نکلنا پڑتا ہے

کہا نہیں تھا تجھے اس کے ساتھ ساتھ نہ چل
ہوا کے سامنے کس کا چراغ جلتا ہے

◆◆◆

دریا تلاش کرتے ہیں

لوگ دریا تلاش کرتے ہیں
ہم کنارا تلاش کرتے ہیں

شام ہوتے ہی جانے کیوں خود کو
بے ارادہ تلاش کرتے ہیں

اے زمیں تیرے رزق میں ہم بھی
اپنا حصہ تلاش کرتے ہیں

جو ترے راستے سے مل جائے
ایسا رستہ تلاش کرتے ہیں

یہ سبھی لوگ کس لیے مجھ میں
اس کا چہرہ تلاش کرتے ہیں

اپنی بینائی کی حدوں سے پرے
ہم یہ کیا کیا تلاش کرتے ہیں

ہم سفر میں قیام کرنے کو
کوئی خیمہ تلاش کرتے ہیں

◆◆◆

بلا جواز رکھیں خود کو

بلا جواز رکھیں خود کو بے قرار بھی کیوں
جو تو نہیں ہے تو پھر تیرا انتظار بھی کیوں

اکیلے پن کا سفر جب مرا مقدر ہے
تو پھر اے وعدہ شکن تیری رہگزار بھی کیوں

اسے گنوا کے رہو اب خزاؤں کی زد میں
جو وہ نہیں ہے تو پھر موسم بہار بھی کیوں

اگر بھلائے ہوئے اس کو ایک عمر ہوئی
تو پھر یہ آج طبیعت ہے سوگوار بھی کیوں

وہ جن لبوں پہ یقین وفا مہک نہ سکے
پھر ان کے لمس کی خواہش ہو ایک بار بھی کیوں

جب اس کو شوق تھا رستوں کی دھول ہونے کا
پلٹ کے دیکھتا جاتا تھا بار بار کیوں

◆◆◆

یہ جو ہم سفر میں بھی گھر

یہ جو ہم سفر میں بھی گھر سا اک بناتے ہیں
ریت کے سمندر میں کشتیاں چلاتے ہیں

اب کے کس طرح کا یہ موسم وصال آیا
تتلیوں کے ہاتھوں سے رنگ اڑتے جاتے ہیں

جن پہ فاختاؤں کے گیت پھول بنتے ہوں
آؤ ان درختوں پہ نام لکھ کے آتے ہیں

پہلے ساتھ چلنے سے دل کو خوف آتا تھا
اور اب بچھڑنے کے وسوسے ڈراتے ہیں

اس کے لوٹ آنے کا خواب دیکھتی آنکھیں
شام سے دریچے میں رکھ کے بیٹھ جاتے ہیں

اس طرف سمندر کے خوفناک تیور ہیں
اور ہم گھروندوں میں سیپیاں سجاتے ہیں

وحشتوں کے صحرا میں کون یہ بتائے گا

کس کو یاد رکھتے ہیں کس کو بھول جاتے ہیں

◆◆◆

خدشہ

جگنوؤں کی خواہش میں
آنکھ ایسے رتے کا
انتخاب کر بیٹھی
جس پہ وصل کے جگنو
ہاتھ میں چمکتے ہیں
زلف میں الجھتے ہیں
آنکھ میں لپکتے ہیں

شب کی اس مسافت میں
صرف ایک خدشہ ہے
صبح تو مقدر ہے
اور پھر یہی جگنو

◆◆◆

نادیدہ سفر کی حد

ابھی امید کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹا نہیں ہے
ابھی دیوار سے باتیں کئے جانے کی عادت کے بدلنے کا
کوئی امکان نہیں ہے
ابھی ہم آسماں پر خود سے وابستہ ستارہ ڈھونڈتے ہیں
ابھی ہم روشنی کا استعارہ ڈھونڈتے ہیں
ابھی تاریکیوں میں اپنی آنکھوں پر بھروسہ
زندگی کے راستوں کا ہم سفر ہے
ابھی اس ذہن و دل کو اپنی منزل کی طلب سے ہٹ کے
کچھ بھی سوچنا' سننا' سمجھ لینا گوارا ہی نہیں ہے
ابھی ہم خواب جیسی کیفیت اوڑھے ہوئے ہیں
ابھی خوش فہمیوں کا تجربہ جھوٹا نہیں لگتا
ابھی تو زندگی میں رائیگانی کی سبھی باتیں محض افسانہ لگتی ہیں
ابھی امید کا دامن ہم اپنے ہاتھ میں محسوس کرتے ہیں

مگر امید خود اک خواب ہے
اور خواب کی اک آخری سرحد بھی ہوتی ہے
کسی خوش فہم نادیدہ سفر کی حد بھی ہوتی ہے

اسی حد پر

گھروں کو لوٹنے کا فیصلہ باقی نہیں رہتا

یہیں پر ہاتھ ملتی رائیگانی کی کسک ہمراہ ہوتی ہے

کسک آسیب کی صورت

نظر سے روشنی اور دل سے دھڑکن چھین لیتی ہے

ان کہی کا بھید

کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کہی کا بھید کھل جائے
اسی خدشے میں تم مجھ سے
مری تخلیق کے جوہر جدا کرتے رہے ہو
اور
مری تکمیل سے ڈرتے رہے ہو
تمہاری مصلحت کوشی کی سفاکی
مجھے تو کیا زمین وآسماں کو بانجھ کر ڈالے
تمہاری فطرت بے مہر سے واقف بھی ہوں
تسلیم کرتی ہوں
مگر یہ کیا اذیت ہے
عجب انداز وحشت ہے
مجھے تم سے محبت ہے

◆◆◆

دھیان

آج میں منحرف نہ تھی خود سے
نیم شب کے اداس چاند کے ساتھ
تیرے بارے میں کتنی باتیں کیں

تیری آنکھوں کے جھلملاتے دیئے
تیرے ہونٹوں کے ذائقوں کا سرور
تیرے ہاتھوں کے لمس کا جادو
تیری قامت کے سائے کی خوشبو
تیرے پہلو کی خوشگوار تھکن
آج یہ سوچنا نہیں چاہا
میری آنکھوں کے روزنوں سے پرے
تو بھی تو ہمکلام ہو گا کہیں

اس کی آنکھوں کے جھلملاتے دیئے
اس کے ہونٹوں کے ذائقوں کا سرور
اس کے ہاتھوں کے لمس کا جادو
اس کے قامت کے سائے کی خوشبو
اس کے پہلو کی خوشگوار تھکن
آج میں منحرف نہ تھی خود سے

◆◆◆

پرانی کتاب میں رکھی تصویر سے باتیں

آج برسوں کے بعد دیکھا ہے
اب بھی آنکھوں کا رنگ گہرا ہے
اور ماتھے کی سانولی سے لکیر
دل میں کتنے دیئے جلاتی ہے
تیری قامت کے سائے کی خوشبو
گفتگو میں بہار کا موسم
بے سبب اعتبار کا موسم
کیوں مجھے سارے ڈھنگ یاد رہے
کتنی حیران ہو گئی خود پر
میں تجھے آج تک نہیں بھولی
پچھلے موسم کی یاد باقی ہے

◆◆◆

آخری دیوار

ہمارے درمیاں اک آخری دیوار باقی ہے

مزاج اور ترا نا معتبر

کردار باقی ہے

جو درد کے صحرا میں

جو درد کے صحرا میں اکیلا بھی بہت ہے
اس کے لیے دیوار کا سایہ بھی بہت ہے

دیکھا نہیں تنہائی میں تم نے کبھی اس کو
بچھڑے ہوئے لوگوں کو وہ رویا بھی بہت ہے

کچھ تجھ کو محبت پہ یقیں تھا نہ وفا پر
کچھ دکھ مری تقدیر میں لکھا بھی بہت ہے

بینائی اندھیروں سے بھلا کیسے بچاتا
اک شخص ترے ہجر میں جاگا بھی بہت ہے

وہ اور ہیں جو چھو کے تجھے دیکھنا چاہیں
مجھ کو تو مرے خواب کی دنیا بھی بہت ہے

کردار سے محروم تھا یہ شہر سو اس نے
ہم کو در و دیوار پہ لکھا بھی بہت ہے

◆◆◆

ساحلوں کی راجدھانی

ساحلوں کی راجدھانی اور ہے
اور سمندر کی کہانی اور ہے

وہ بظاہر بھی شریک جاں نہیں
شہر میں لیکن کہانی اور ہے

ہجر میں دل کو خسارہ اور تھا
وصل رت میں رائیگانی اور ہے

یہ نہیں کہ صرف آنکھیں بجھ گئیں
دل پہ اس کی مہربانی اور ہے

وہ سخن ناآشنا تو ہے مگر
اک غزل اس کو سنانی اور ہے

◆◆◆

"پیش لفظ" کو پڑھ کر

میں نے تم سے کب یہ کہا ہے میں شاعر ہوں
میں نے جو دیکھا ہے' محسوس کیا ہے' وہ لکھا ہے
میں نے شب کو ظلمت سے تعبیر کیا' کیا جرم کیا
میں نے بھوک کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے معصوموں کو
بھوکا لکھا' کیا جرم کیا
میں نے دریاؤں کے کنارے پیاس سے مرتے لوگوں کو
مشکیزہ دیا' کیا جرم کیا
میں نے سچ پاداش میں مرنے والوں کو سقراط کہا' کیا جرم کیا
میں نے تو قاتل کو بس قاتل ہی کہا ہے
غاصب کو غاصب لکھا ہے

میں نے تم سے کب یہ کہا ہے میں شاعر ہوں
میں نے جو دیکھا ہے' محسوس کیا ہے وہ لکھا ہے

◆◆◆

خلش

یہ اب کس لیے تم

مرے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر

یہ کہتے ہو مجھ سے

کہ تم اپنی ساری تھکانیں مجھے سونپ کر

میرے سینے پہ سر رکھ کے پچھلی مسافت کی جاگی ہوئی

ساری نیندوں کو سولو

جو ہونٹوں پہ ٹھہری ہوئی پیاس ہے

اس کے صحرا بجھو لو

تمہارا یہی لمس تازہ ہی اب میرا ہمراز ہوگا

تمہارا یقیں میرا اعزاز ہوگا

یہیں سے محبت کا آغاز ہوگا

یہ اب کس لیے تم

مرے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر

یہ کہتے ہو مجھ سے

ذرا خود ہی سوچو

ابھی کل تلک تم

مرے خال وخد

میرے ہاتھوں کی ریکھاؤں

اور میرے سارے سفر کو

مری شاعری

میرے دست و ہنر کو

مرے ذہن کو

میری فکرِ رسا کو

کبھی ریت کہتے

کبھی تم ہواؤں سے تشبیہ دیتے

کبھی خاک اور راکھ کہتے نہ تھکتے

مگر اب اچانک

یہ کیا کہہ رہے ہو

ذرا خود ہی سوچو

ابھی ٹھہرو

ابھی ٹھہرو
"ابھی کچھ دن لگیں گے"
وصل کو خواہش بنانے میں
تمہیں اپنا سمجھنے کے لیے دل کو منانے میں
ابھی کچھ دن لگیں گے

ابھی ہم اپنی اپنی خوشبوؤں کو دل سے ملنے دیں
انہیں محسوس کرنے دیں
وفا کیا اور تقاضائے محبت کی حدیں کیا ہیں
حدوں کی سرحدیں کیا ہیں
پھر ان کے پار جانے کا سبب کیا ہے
دھیان و بے دھیانی میں
تمہاری بھیگتی باتوں کی ندیا کی روانی میں
کہانی ہی کہانی میں
اگر بے جادہ و منزل
کوئی خواہش دلوں کی کوکھ سے پیدا ہوئی تو کون دیکھے گا
ہمارے نام کی سچائی کو
اور خواہشوں کے بے نسب مہتاب چہروں کو

ابھی ٹھہرو
ابھی کچھ دن لگیں گے
رشتہ بے نام کو ہم نام کرنے میں
کہانی کو کسی آغاز سے انجام کرنے میں
کہیں اظہار کرنے میں
ہمیں اقرار کرنے میں
ابھی ٹھہرو
ابھی کچھ دن لگیں گے

ابھی ممکن نہیں

غزل کہنا
کسی سچی محبت کی جدائی پر
دکھوں کے درمیاں رہ کر
وفا کی نظم لکھ لینا
ابھی ممکن نہیں ہے

ابھی ممکن نہیں ہے
ہجر کے موسم کی آنکھوں سے
کسی کے وصل کی باتوں کے ہاتھوں پر
دعا کے حرف پڑھ لینا
ابھی ممکن نہیں ہے

ابھی ممکن نہیں ہے
خواہشوں کے چاند چہروں پر
کسی خوشبو کے رنگوں کا بکھر جانا
مہک اٹھنا
ابھی ممکن نہیں ہے

ابھی ممکن نہیں ہے

شہرِ شامِ دشمناں کی

وحشتِ نامہرباں میں پھر

محبت کا بیاں کرنا

ابھی ممکن نہیں ہے

اب یوں نہیں کہ شہرِ ہنر

اب یوں نہیں کہ شہرِ ہنر چاہیے مجھے
شاعر ہوں ایک چھوٹا سا گھر چاہیے مجھے

تنہائیوں کی شب میں ترے قرب کی مہک
اس میں برا بھی کیا ہے اگر چاہیے مجھے

شاموں کا حسن، صبحوں کا احساس نغمگی
ممکن کہاں رہا ہے مگر چاہیے مجھے

کب تک ترے وجود سے سر پھوڑتی رہوں
دیوار شہر، کوئی تو در چاہیے مجھے

منزل تلاش کس طرح ہو گی یہ غم نہیں
بس ایک بار اذن سفر چاہیے مجھے

سایہ نہ دے مگر وہ مرے ساتھ تو رہے
دشت وفا میں ایسا شجر چاہیے مجھے

◆◆◆

آبلے پوچھتے ہیں

آبلے پوچھتے ہیں پاؤں سے
کیا ملے گا تمہیں وفاؤں سے

ان منڈیروں پہ کچھ چراغ بھی تھے
کون پوچھے گا اب ہواؤں سے

بستیاں زیر آب آتی گئیں
ہونٹ جلتے رہے دعاؤں سے

تتلیاں کیوں سفر میں رہتی ہیں
بیٹیاں پوچھتی ہیں ماؤں سے

ابر پیوند خاک لگتا ہے
ریت گرنے لگی خلاؤں سے

بھوک کی دھوپ ہم کو کھا جاتی
بچ گئے محنتوں کی چھاؤں سے

دل نے ہجرت قبول کر لی تھی

حوصلے ہو سکے نہ پاؤں سے

◆◆◆

سمجھ میں کچھ نہیں آتا

ہمیں کس ہاتھ کی محبوب ریکھاؤں میں رہنا تھا
کس دل میں اترنا تھا
چمکنا تھا کن آنکھوں میں

کہاں پر پھول بننا تھا
تو کب خوشبو کی صورت کوئے جاناں سے گزرنا تھا
سمجھ میں کچھ نہیں آتا
ہمیں کس قریہ آب و ہوا کے سنگ رہنا تھا
کہاں شامیں گزرنا تھیں
کہاں مہتاب راتوں میں کسی کو یاد کرنا تھا
کسی کو بھول جانا تھا
کہاں پر صبح کا آغاز کرنا تھا کہاں سورج نکلنا تھا
سفر کے دشت میں تنہا تھکے ہارے مسافر کو
کہاں خیمہ لگانا تھا
کہاں دریا میں کشتی ڈالنا تھی اور کس ساحل اترنا تھا
سمجھ میں کچھ نہیں آتا
ہمیں کس قریہ آب و ہوا کے سنگ رہنا تھا

بس اب یہی ایک راستہ ہے

نہ کوئی موسم ہمارے مابین زندگی کی بشارتوں کا
نہ کوئی اظہار ذہن ودل کی تہوں میں رہتی رفاقتوں کی کہانیوں کا
نہ کوئی احساس قربتوں کا

نہ ایک بارش میں بھیگتے ہم کہیں سے گزرے
نہ جسم وجاں کی مہک نے قدموں کو ڈگمگایا
نہ کوئی بھونچال خواہشوں کے بدن میں آیا

نہ ہم نے ایک دوسرے کی آنکھوں سے خواب دیکھے
نہ ہاتھ تھامے ہوئے وفا کے سفر پہ نکلے
نہ یاد رکھا نہ راہ بھولے

نہ ہم نے ایک دوسرے کی عمروں کے فرق کو اک سطح پہ لا کر
مثالِ حرفِ غلط مٹایا
نہ دل میں ایسے کسی بھی احساس کو جگایا
مگر یہ ظالم ہوا نے کیسی فضا بنا دی

کہ اب یہی ایک راستہ ہے

اب اس پہ چلنے سے پاؤں چھلنی بھی ہو رہے ہوں

تو ہونٹ سی لیں

جو خواب دیکھے نہیں تھے ہم نے

انہی کے ہونے کا زہر پی لیں

تری خوشبو نہیں ملتی

تری خوشبو نہیں ملتی، ترا لہجہ نہیں ملتا
ہمیں تو شہر میں کوئی ترے جیسا نہیں ملتا

یہ کیسی دھند میں ہم تم سفر آغاز کر بیٹھے
تمہیں آنکھیں نہیں ملتیں ہمیں چہرہ نہیں ملتا

ہر اک تدبیر اپنی رائیگاں ٹھہری محبت میں
کسی بھی خواب کو تعبیر کا رستہ نہیں ملتا

بھلا اس کے دکھوں کی رات کا کوئی مداوا ہے
وہ ماں جس کو کبھی کھویا ہوا بچہ نہیں ملتا

زمانے کو قرینے سے وہ اپنے ساتھ رکھتا ہے
مگر میرے لیے اس کو کوئی لمحہ نہیں ملتا

مسافت میں دعائے ابر ان کا ساتھ دیتی ہے
جنہیں صحرا کے دامن میں کوئی دریا نہیں ملتا

جہاں ظلمت رگوں میں اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے
اسی تاریک رستے پر دیا جلتا نہیں ملتا

◆◆◆

ہجر کی بددعا

ہجر کی بد دعا نہ ہو جانا
دیکھ لینا' سزا نہ ہو جانا

موڑ تو بے شمار آئیں گے
تھک نہ جانا' جدا نہ ہو جانا

عشق کی انتہا نہیں ہوتی
عشق کی انتہا نہ ہو جانا

آخر شب اداس چاند کے ساتھ
ایک بجھتا دیا نہ ہو جانا

بے ارادہ سفر پہ نکلے ہو
راستوں کی ہوا نہ ہو جانا

زندگی درد سے عبارت ہے
زندگی سے خفا نہ ہو جانا

اک تمہی کو خدا سے مانگا ہے
تم کہیں بے وفا نہ ہو جانا

ناراض نقوش

میرے محبوب
مری سمت نہ دیکھ
میری آنکھوں کو بھی نم رہنے دے
ترکِ خواہش کا بھرم رہنے دے
پھر پگھل جائے نہ سینے میں یہ دل
کتنی مدت میں بھلایا ہے مچلنا اس کو
کتنی مشکل سے سکھایا ہے کہ جینے کے لیے
یوں محبت سے دھڑکنے کا ہنر
رائیگانی کے سوا کچھ بھی نہیں
اک تماشا ہیں وہ سارے منظر
جن کے چہرے پہ ہوں تقدیر کے ناراض نقوش
اب تو تو خود سے مکرنے دے مجھے
میرے محبوب نہیں اور نہیں
جسم کو راکھ نہ کر روح کو شعلہ نہ بنا
یوں مری سمت نہ دیکھ

◆◆◆

چلچلاتی دھوپ میں

مگر حالات کے زینے پہ
کیسی مشق جاری ہے
کہ جس میں سانس لینے کے لیے
مہلت نہیں ملتی

اپنی عمر گنوا دی پھر بھی
بستی کے سب لوگوں نے
مجھ کو
یا تو پتھر سمجھا
یا پھر موم کی گڑیا

خوف کا بیاباں ہے

خوف کا بیاباں ہے، حوصلے تو ٹوٹیں گے
خار خار رستوں میں، آبلے تو ٹوٹیں گے

دل کے ٹوٹ جانے پر اب ملال کیا کرنا
پتھروں کی بستی میں آئینے تو ٹوٹیں گے

آندھیوں کے موسم میں اس طرح تو ہوتا ہے
خوشبوؤں کے پھولوں سے رابطے تو ٹوٹیں گے

جن پہ راہبر باہم متفق نہیں ہوتے
ایسی رہگزاروں پر قافلے تو ٹوٹیں گے

ساتھ کب تلک دے گی ظلمتوں میں بینائی
جس میں ہواؤں کے سلسلے تو ٹوٹیں گے

◆◆◆

ہم اپنے دل کو تھپکتے ہیں
اور سوچتے ہیں
کہ تتلیوں کے پروں پر کہانیاں لکھ کر
بچائیں کیسے انہیں دھوپ کی تمازت سے

دھند

اک تماشا ہیں
وہ آنکھیں جن میں
شہر کا شہر نظر آتا ہو
جن میں رستہ ہو
نہ گھر آتا ہو

کبھی ہم بھیگتے ہیں

کبھی ہم بھیگتے ہیں چاہتوں کی تیز بارش میں
کبھی برسوں نہیں ملتے کسی ہلکی سی رنجش میں

تمہی میں دیوتاؤں کی کوئی خو بو نہ تھی ورنہ
کمی کوئی نہیں تھی میرے انداز پرستش میں

یہ پہلے سوچ لو پھر اور بھی تنہا نہ ہو جانا
اسے چھونے کی خواہش میں اسے پانے کی کوشش میں

بہت سے زخم ہیں دل میں مگر اک زخم ایسا ہے
جو جل اٹھتا ہے راتوں میں جو لو دیتا ہے بارش میں

◆◆◆

تتلیاں جگنو سبھی ہوں گے

تتلیاں جگنو سبھی ہوں گے مگر دیکھے گا کون
ہم سجا بھی لیں اگر دیوار و در دیکھے گا کون

اب تو ہم ہیں جاگنے والے تری خاطر یہاں
ہم نہ ہوں گے تو ترے شام و سحر دیکھے گا کون

جس کی خاطر ہم سخن سچائی کے رستے چلے
جب وہی اس کو نہ دیکھے تو ہنر دیکھے گا کون

سب نے اپنی اپنی آنکھوں پر نقابیں ڈال لیں
جو لکھا ہے شہر کی دیوار پر دیکھے گا کون

بے ستارہ زندگی کے گھر میں اب بھی رات کو
اک کرن تیرے خیالوں کی مگر دیکھے گا کون

◆◆◆

محبتیں جب شمار کرنا

محبتیں جب شمار کرنا تو سازشیں بھی شمار کرنا
جو میرے حصے میں آئی ہیں وہ اذیتیں بھی شمار کرنا

جلائے رکھوں گی صبح تک میں تمہارے رستوں میں اپنی آنکھیں
مگر کہیں ضبط ٹوٹ جائے تو بارشیں بھی شمار کرنا

جو حرف لوحِ وفا پہ لکھے ہوئے ہیں ان کو بھی دیکھ لینا
جو رائیگاں ہو گئیں وہ ساری عبارتیں بھی شمار کرنا

یہ سردیوں کا اداس موسم کہ دھڑکنیں برف ہو گئی ہیں
جب ان کی یخ بستگی پرکھنا تمازتیں بھی شمار کرنا

تم اپنی مجبوریوں کے قصے ضرور لکھنا وضاحتوں سے
جو میری آنکھوں میں جل بجھی ہیں وہ خواہشیں بھی شمار کرنا

◆◆◆